انقلاب ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ

ترجمہ:

شیخ حسام الدین

مقدمہ

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی

اُتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ

Marfat.com

انقلاب ۱۸۵۷ء۔ تصویر کا دوسرا رُخ

ترجمہ: شیخ حسام الدین

58964

پہلا آفسیٹ ایڈیشن	۱۹۸۲ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	چھ روپے

عزیز الجبار خاں سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے آتل آفسٹ ورکس نئی دہلی ۔ ۲۸ سے چھپوا کر ہلہرہ ہاؤس قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کیا۔

Marfat.com

پیش لفظ

اُتر پردیش اُردو اکادمی نے جو چند نئے منصوبے مرتب کیے ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل منصوبہ ہے "اُردو میں جنگ آزادی کے لٹریچر کی تدوین اور اس کی اشاعت" یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ ہے جس کی ابتدا اسی مالی سال سے ہو رہی ہے۔ اس کے لیے سالِ رواں کے بجٹ میں خاصی رقم بھی مختص کر دی گئی ہے۔

جنگِ آزادی کے مختلف مظاہر رہے ہیں۔ غیر ملکی اقتدار سے براہِ راست ٹکرا جانا اور اس کی بیخ کنی کرنا تو اس جنگ کی آخری منزل تھی، لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہمارے ملک نے مختلف حربے استعمال کیے۔ قومی نظمیں اور مقالے لکھنا۔ دلوں کو حبِ وطن کے جذبے سے سرشار کرنا۔ اونچ نیچ کا فرق مٹانا اور ایک آزاد فلاحی ریاست کے قیام کے لیے تدابیر اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ جنگ آزادی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان موضوعات پر اُردو میں کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے اتنا زیادہ اور قابلِ فخر لٹریچر ہے کہ اُس کی فراہمی، انتخاب اور اشاعت کا سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہے گا۔

جنگِ آزادی کے سیاق و سباق میں لٹریچر یا ادب کا لفظ بڑی وسعت اور عمومیت کا حامل ہے۔ اس زمرے میں صرف حالی، شبلی، سرور، چکبست، اقبال، محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کی تخلیقات نہیں آتیں، بلکہ اس میں وہ منظومات، مقالات اور خطبات بھی شامل ہیں جو از روئے اصطلاحِ ادب زیادہ معیاری نہ ہوں، مگر اُن سے دلوں کو حرارت اور ذہنوں کو ایک آزاد فضا میں غور و فکر کی صلاحیت ملی تھی۔ ضروری نہیں کہ رجز یا حدی شاعری کی متداول اصطلاحات و مقتضیات کو محیط ہو۔ اگر اس نے میدانِ جنگ

Marfat.com

میں مقتضائے حال کے مطابق دست و بازو کو ایک نئی قوت عطا کر دی، تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔ اُردو میں اس طرح کے رجز اور حدی کو اگر فراہم کیا جائے، تو اس کے صفحات کا تعین دشوار ہو جائے گا، مواد کی فراہمی کا کام بے حد مشکل ہے، مگر اُردو اکادمی اس سمت چل پڑی ہے اور محبانِ اُردو کے تعاون سے وہ اس منزل کو کبھی نہ کبھی ضرور سر کر لے گی۔

۱۸۵۷ء ہماری جنگ آزادی کا انتہائی وقیع اور جرأت آزما نقطۂ آغاز ہے۔ اس جنگ کے تقدس کو طرح طرح سے داغ دار کیا گیا، مگر حقیقت ہمیشہ پس پردہ نہیں رہ سکتی۔ مغرب کے ایک اہلِ قلم ایڈورڈ ٹامسن نے 'THE OTHER SIDE OF THE MEDAL' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا اُردو میں نامکمل ترجمہ "غدر ۱۸۵۷ء اور تصویر کا دوسرا رُخ" دو قسطوں میں 'الہلال' کے ۲ ستمبر ۲۷ء اور ۹ ستمبر ۲۷ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا۔ پہلی قسط کے آغاز میں الہلال نے ایک نوٹ لکھا تھا، جس کے اہم اقتباسات یہ ہیں:

"حال میں ایک کتاب امریکہ سے شائع ہوئی ہے، جس کا نام — "THE OTHER — SIDE OF MEDAL." یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ" اور اس کا مصنف ایک مشہور اہلِ قلم ایڈورڈ ٹامسن ہے۔ اُس نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ "غدر ۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے رعب و ہیبت کے مظاہرہ کے لیے جو خوں ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے یک جا کر دیے جائیں اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے"

"..... لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہے! اور یہ اخلاق و انسانیت کا مرقع ہے یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہے یا زیادہ۔ دنیا کے ان حکمراں اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقع پر اپنی اخلاقی سیرت (کیریکٹر) کے مظاہرے کا موقع ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اس نے خود ہندوستانیوں سے فتح یاب ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتلِ عام کیا اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب اور یک قلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دی

Marfat.com

گئی: تاریخ کو اس کے لیے کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ سوالات ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اس وقت تک مورخانہ تحقیق و نظر کی روشنی اس گوشے پر نہیں پڑ سکی۔

.... کوشش کی گئی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کیے جائیں۔ مصنف کے لیے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اس کے پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض نیم سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعۂ علم نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرف دار نہیں کہے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادات کا جس قدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اس سے بحیثیت مجموعی تصویر کا دوسرا رُخ نمایاں ہو جاتا ہے ....

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصّوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کر دیں۔"

جب الہلال میں اس کی مزید قسطیں شائع نہیں ہوئیں تو جناب شیخ حسام الدین نے اس کتاب کا اُردو میں آزاد ترجمہ کیا اور پھر اسے ۱۹۳۱ء میں "انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رُخ" کے نام سے شائع کیا۔ اس ترجمے پر جناب مولانا عبدالرحیم خاں، پوپل زئی نے جو مقدمہ لکھا تھا۔ وہ ہندوستان کے جذبۂ آزادی کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ اسی کتاب کے عکس کی اشاعت سے اُتر پردیش اُردو اکادمی اُردو میں جنگ آزادی کے لٹریچر کا سلسلہ شروع کر رہی ہے۔

اُمید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی قبولِ عام حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین مجلس انتظامیہ

اُتر پردیش اُردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
۱۵ اگست ۱۹۸۲ء

Marfat.com

Marfat.com

انقلاب ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

دیباچہ	حسام الدین (شیخ)	۳
مقدمہ	عبدالرحیم خاں پوپلزئی	۶
تصنیف کی غرض وغایت		۹
انقلاب کے اسباب		۱۰
واقعات کی تحقیق		۱۱
ناکامی کے اسباب		۱۴
پروپیگنڈا کی تفصیل اور اس کے اثرات		۱۶
غدر		۱۸

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

ستمبر ۱۹۲۰ء کے الہلال میں اس کتاب کے بعض نامکمل اقتباسات شائع ہونے شروع ہوئے تھے، جن کے مطالعہ سے اس کتاب کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن افسوس کہ ایک کافی عرصہ کے انتظار کے باوجود مایوس ہونا پڑا۔ اس اثنا میں اتفاق سے فرصت کا وہ عدیم النظیر زمانہ جسے عام طور پر اسیری کا زمانہ کہا جاتا ہے، جب اس دفعہ پھر نصیب ہوا، تو جہاں دہلی، سرحد اور پنجاب کے برگزیدہ اشخاص بزرگوں سے نیاز حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں یہ دیرینہ آرزو بھی پوری ہوئی اور اصل کتاب کا مطالعہ کیا۔ لیکن جب الہلال کے اقتباسات سے مقابلہ کیا تو وہ بالکل نامکمل اور غیر مربوط صورت میں نظر آئے۔ اس کے ساتھ ہی احباب کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کتاب کی صورت میں از سر نو ہونا چاہئے۔ چنانچہ مجھے اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ بلحاظ زبان اور ادب کے یہ کتاب اردو لٹریچر میں کوئی قابلِ قدر اضافہ ہوگی، لیکن اتنا ضرور کہونگا کہ اس قسم کے مضامین کی اردو میں منتقل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہی وجہ میری اس جسارت کی محرک ہوئی۔ ورنہ جہانتک زبان وادب کا تعلق ہے اپنے آپ کو کسی معنے میں بھی اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ اس کٹھن وادی میں قدم رکھ سکوں۔ بہرحال ملک کے لئے ایک نہایت ہی مفید اور ضروری چیز سمجھکر اپنے پریشان الفاظ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر ناظرین نے اس کے مطالب سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اپنی گری ہوئی حالت کے بدلنے کے لئے کوئی حرکت کی تو میں سمجھونگا کہ میرا مطلب پورا ہوگیا۔

جہانتک اس کتاب کی ترتیب کا تعلق ہے میں نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے کہ مصنف کی غرض اور کتاب کے مطالب کو پوری طرح ادا کروں۔ البتہ میں نے

Marfat.com

اتنی تبدیلی ضرور کی ہے کہ کتاب کے پہلے باب میں سے صرف ایسے امور کو لے لیا ہے جن کا اصل مضمون کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا اور ان کو کتاب کے پہلے باب میں دو حصّوں میں لکھ دیا ہے۔ مگر باقی باب میں چونکہ اُنہی فرسُودہ مضامین کا اعادہ تھا جنکی رُو سے عام طور پر ہندوستان میں انگریزوں کی موجُودگی کی ضرورت خود ہندوستان کے مفاد کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے، یعنی فرقہ وارانہ مناقشات، یا سرحدِ نیپال کے حملوں کا بھُوت وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ ان تمام مسائل پر مختلف اوقات میں پریس اور پلیٹ فارم سے متعدد دفعہ غیر مُبہم اور صاف الفاظ میں جواب دیدیا گیا ہے۔ اس لئے مَیں نے اس تمام حصے کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے نظر انداز کردیا ہے، لیکن باقی کے تینوں حصّوں کو اصل ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جہانتک کتاب کے مضامین اور مُصنف کی رائے کا تعلق ہے، مَیں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرے محترم دوست مولانا عبدالرّحیم خان پوپلزئی پشاوری نے نہایت وضاحت اور بلاغت سے مقدمہ میں کتاب کے مضامین پر کافی روشنی ڈالی ہے جو حقیقت میں اس کتاب کا زیور ہے۔ مَیں قارئین سے استدعا کرونگا، کہ وہ مقدمہ کے ایک ایک حرف کو بغور پڑھیں۔ جس کے بعد وہ کتاب کے مطالعہ سے قرار واقعی فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ مَیں مولانا موصوف کا بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے نہ صرف مقدمہ لکھکر کتاب کی حیثیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں، بلکہ کتاب کی ترتیب اور زبان کی درستی میں بھی مسلسل وقت دیکر قابلِ قدر مشوروں سے سرفراز فرماتے رہے۔ یہاں پر یہ بھی ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہُوں کہ متذکرہ صدر صحبتوں میں میرے دوست پنڈت شِودت رنگا ملتانی اور برادرم حکیم محمد سکندر خضر بھی برابر شریک رہے اور وقتاً فوقتاً مفید تجاویز سے مشکور فرماتے رہے۔

مَیں یقیناً ناشکر گذار ہُونگا اگر یہاں پر اپنے محترم بزرگ عالی جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری مدظلہ العالی کی شفقت اور بندہ پروری کا شکریہ ادا نہ کروں بالخصوص اس لئے بھی کہ انہوں نے کتاب کے مسودہ کو پڑھکر میری بے حد حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کی طباعت کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ انہی حضرات کی عنایت کا نتیجہ

Marfat.com

ہے کہ یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔

آخر میں قارئین سے بہرحال درخواست کرونگا کہ وہ زبان اور ادب کی خامیوں کو نظر انداز کرکے کتاب کے مضامین کی طرف توجہ دیں

ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

حسامُ الدین (شیخ)
امرت سری
سپیشل جیل - گجرات

Marfat.com

مقدمہ

از مولانا عبدالرحیم خان پولیٹیکل پشاور

تاریخ ہند کا وہ ناتمام صفحہ جو ۱۸۵۷ء کے سُرخ گمرنا کام انقلاب سے رنگین ہوچکا ہے، اور درسِ عبرت کا ایک سبق آموز باب ہمارے سامنے پیش کرچکا ہے۔ اپنی تاریخی اہمیت کے باوجود آجتک دنیا کی حقیقت بین نظروں سے اوجھل رہا۔ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی فلسفے کا دقیق مسئلہ نہیں کہ جس کی مُوشگافی کے لئے اصولِ موضوعہ کی تمہید، مقدمات کی ترتیب، دلائل وقیاسات کی تقریب اور نتائج کی تصحیح کے لئے غور وخوض کی ضرورت پڑے، کیونکہ مشاہدات کے متعلق تیقن اور اطمینان حاصل کرنے کی بنیاد مشاہدہ ہی پر ہوتی ہے، اور مشاہدہ کے لئے عینی شاہد کی ضرورت ہے، فلسفی دلائل وقیاسات یہاں کیا کام آسکتے ہیں۔

تاریخ دراصل چند واقعات کی صحیح تعبیر و بیان کا نام ہے، جو مشاہدہ یا دیگر محسوسات کی کسی صُورت میں وقوع پذیر ہوچکے ہوں۔ مثلاً ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ آئرلینڈ میں انگریزوں کے مظالم واقعی ہیں یا محض مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے۔ تو اس کے لئے واقعات کا مشاہدہ یا مستند اور عینی شہادتوں کا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ صرف قیاس سے کوئی رائے قائم کرلینا صحیح نہ ہوگا۔

ہاں اس کے فرائض کی انجام دہی کیلئے ضروری ہے کہ مؤرخ دیانتِ عمل، تصحیحِ روائت، وُسعتِ نظر، سلامتیِ طبع اور اصابتِ رائے سے بے بہرہ نہ ہو۔ واقعات میں قیاس ورائے کو دخل نہ دے، اور جب کسی واقعہ کے متعلق روایات حاصل کرے تو اُن میں اصل واقعہ اور رائے کی آمیزش کو الگ الگ رکھ کر غور کرے۔ کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر مسخ شدہ شکل میں پیش کرنا اُسکی

Marfat.com

اصلی وضع و ترتیب کو اُلٹ پلٹ کر دینا، صحیح ضعیف ہر قسم کی روائت پر اعتبار کر لینا، واقعات کے تمام پہلوؤں پر غور نہ کرنا، مبالغہ آمیزی سے کام لیکر کسی ناپسندیدہ امر کو پست اور پسندیدہ کو بلند کر دکھانا ایک مورخ نما عیار کی مخفی خواہشات کی صحیح ترجمانی تو کر سکتا ہے لیکن تاریخی ذمہ داریوں سے اُسی قدر دُور ہے جسقدر کہ تاریکی روشنی سے اور باطل حق سے۔

تاریخ خواہ وہ یورپ میں لکھی گئی ہو یا ایشیا میں، انگلستان کے ٹکسال سے نکلی ہو یا ہندوستان کے مطابع سے، اُس وقت تک اعتماد و وثوق کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی، جبتک کہ وہ مذکورہ بالا خصوصیات پر مشتمل نہ ہو۔ واقعات کی فرضی و بناوٹی تصویریں جن کا کوئی رُخ بھی مصور کی خودغرضانہ دست درازیوں سے [illegible] سکا ہو، علم التاریخ کے دامن پر ایک سیاہ داغ سے کم حیثیت نہیں رکھتیں۔ یورپ کا [illegible] تاریخ اگرچہ کسی معقول اصول کا مرہونِ منت نہیں اور نہ ہی اس میں [illegible] ضروری لازمی سمجھی گئی ہے۔ وہ قاعدہ و ضابطہ کی قیود سے اُسی قدر آزاد [illegible] قاعدہ اور ضابطہ ہو سکتا ہے تحقیق و تنقید کا اسی حدتک دلدادہ ہے جس [illegible] اور تاریکی روشنی کی۔ لیکن اس کی مشینری ایسے پرزوں سے بنی ہے [illegible] حیثیت اگرچہ بہت سی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے مگر یہ دلکش منظر [illegible] ایک سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ان چند تمہیدی ارشادات کے بعد ناظرین جب انقلاب ۵۷ء کی انگریزی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ واقعات [illegible] کی تہ نہ تو اتنی گہری ہے کہ اس تک رسائی ناممکن ہو اور نہ ہی سطح ایسی ناہموار کہ اس پر کوئی رائے قائم نہ کی جا سکے۔ محض مصنفین کی خودغرضانہ عیاریوں کے سبب سے ایسے الجھاؤ سے پیش کئے گئے ہیں کہ جن سے حقیقت کی اصلی تصویر مخفی رہ جاتی ہے۔

ایکسو سے زائد انگریزوں نے اس درد بھری داستان کو افسانوں، ناولوں اور تاریخی پیرایوں میں جس مکاری سے پیش کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ انکی گری ہوئی ذہنیت کا مظاہرہ کرتی ہے بلکہ فنِ تاریخ کے دامن پر ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رویہ سے مقصود یہ تھا کہ انگریز دنیا میں حق پرست، منصف مزاج، بُردبار، شریف الطبع، جوانمرد، فیاض، وفادار اور اولوالعزم ثابت ہوں اور ہندوستانی جاہل، وحشی، شیطان سیرت، ناتربیت یافتہ، غدار اور

باغی ظاہر ہوں، تاکہ اُن کے دُکھی دل کی پُکار کوئی نہ سُنے نہ ہی انکی باتوں پر اعتبار کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار کرے۔ اُن کے اوپر جس قسم کا جبر و تشدد کیا جائے اس کی کوئی شنوائی نہ ہو اور انگریز قوم بیفکر ہوکر ان پر حکومت کرے۔ اپنا رعب داب، عظمت و وقار قائم رکھے اور من مانی باتیں اُن سے منوائے، ہندوستان میں غلامی کی جڑیں مضبوط ہوں اور ہندوستانیوں کی دِلی تمنائیں سب خاک میں مِل جائیں، اُن کے جذباتِ آزادی سرد پڑ جائیں۔ لیکن انگریز قوم کے اس پروپیگنڈے نے جہاں یہ کیا کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ صرف قائم ہی رہا بلکہ اس کی عمر ستّر (۷۰) سال اَور دراز ہوگئی اور ابھی معلوم نہیں کہ اَور کتنا عرصہ تک رہیگی، وہاں اس نے ہندوستانیوں کے دلوں میں منافرت و حقارت کے جذبات کو اَور بڑھا دیا۔ حُرّیت اور آزادی کے ولولوں کو اَور زیادہ تیز کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی سرزمین پر جنگِ آزادی کا ایک ہولناک اور تباہ کُن طوفان پھر سے اُٹھتا ہوا نظر آنے لگا۔ جس سے زمانہ نے ایک مہیب انقلاب کی طرح ڈال دی اور تاریخ ہند کے ناتمام صفحہ پر اتمام و تکمیل کا ضمیمہ شروع کر دیا۔

مسٹر ایڈورڈ ٹامسن نے اسی خطرے کو محسوس کرتے ہوئے انقلاب ۵۷ء پر ایک کتاب THE OTHER SIDE OF THE MEDAL. یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ" کے نام سے لکھی۔ جسکے ذریعہ سے اس نے یہ کوشش کی ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کی باہمی منافرت دُور ہو جائے اور انگریزی حکومت اور ہندوستانیوں میں مفاہمت اور دوستی و اعتماد کے روابط اچھی طرح قائم ہو جائیں تاکہ آزادی کے خطرات کا سدِباب بوجہ احسن ہو جائے۔

اِس کتاب کے بعض اہم اقتباسات کا اردو ترجمہ ۱۹۲۷ء میں الہلال کے دو نمبروں میں شائع ہوا اور اسی کی تمہید میں مکمل ترجمے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا مگر تین سال کے یاس انگیز انتظار نے شائقینِ تاریخ کا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا۔ آخر انہوں نے محترم بندہ شیخ حسام الدین صاحب میونسپل کمشنر امرتسر کو مجبور کیا کہ وہ عام فہم اُردو ترجمہ کر کے تاریخ و ادب کی ایک ضروری خدمت کو سرانجام دیں۔

شیخ صاحب کا ترجمہ اِس وقت میرے سامنے ہے اور اسی کے لحاظ سے مَیں کتاب کے مضامین پر مختصر روشنی ڈالونگا۔ ترجمہ میں الفاظ کی ترتیب، تراکیب کی بندش، اور عبارات کی

Marfat.com

تہذیب جس خوش اسلوبی اور خوش بیانی کے ساتھ مقاصدِ کتاب اور مرادِ مصنف کو واضح کرتی ہیں۔ وہ قابلِ قدر ہیں۔ بالخصوص بعض شاندار مگر مانوس الفاظ کی حسب موقع ترتیب اور دلکش تراکیب کی تشکیل، نہ صرف شیخ صاحب کی جودتِ طبع کی شہادت دیتی ہیں بلکہ ترجمہ کی خوبیوں کو بھی دوبالا کردیتی ہیں۔

ناظرین جب تاریخی معیار سے مضامین کتاب پر نظر ڈالنا چاہیں تو انکو یہ غور کرنا چاہیئے کہ مفصلۂ ذیل امور کے متعلق کہانتک روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ یہی چند امور مصنف کی قابلِ قدر تحقیق اور کتاب کی تاریخی حیثیت پر کافی طور سے روشنی ڈال سکتے ہیں۔ (۱) تصنیف کی غرض و غائت (۲) انقلاب کے اسباب (۳) واقعات کی تحقیق (۴) ناکامی کے اسباب و اثرات (۵) پروپیگنڈا کی تفصیل اور اس کے اثرات۔

(۱) تصنیف کی غرض و غائت

جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اُس وقت مصنف کی دُوربین نگاہوں کے سامنے ہندوستان کے اندر انقلاب کے اُٹھتے ہوئے طوفان نمودار ہوچکے ہیں۔ بحرالکاہل کی پُرسکون سطح میں ایک ہولناک تلاطم پیدا ہوگیا ہے اور قلزم واسود کی زخار موجیں اُٹھ اُٹھ کر انگریزوں کی پریشان حالی کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔ اس لئے وقت آگیا ہے کہ جلد از جلد اپنی قوم کو اس خطرہ سے آگاہ کردیا جائے۔ تاکہ حکومت تحکم و استبداد کی پالیسی کو چھوڑ کر نام نہاد اصلاحات کی اسکیموں سے ہندوستان کے اُبھرتے ہوئے جذبات کی آگ کو ٹھنڈا کردے۔ جس سے کہ مفاہمت کی بہترین صُورت پیدا ہوجائے۔ کیونکہ مصنف کے نقطۂ نگاہ میں فریقین کے درمیان منافرت اور بے اطمینانی محض اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ انگریزوں نے انقلاب ۵۷ء میں نہ صرف ہندوستانیوں پر وحشیانہ مظالم روا رکھے بلکہ اصلیت کے اخفاء کے ساتھ ساتھ ان کے برخلاف نہایت مکروہ غلط بیانی سے آجتک کام لیا۔ چنانچہ ذیل کا اقتباس مصنف کی اس غرض کو کافی طور پر واضح کرتا ہے۔

(۱) "اگر ہم نے اس معاملے میں نیک نیتی سے قدم اُٹھایا تو ہم اس سرچشمہ تک پہنچنے میں جو کہ ہمارے خلاف نفرت وحقارت کا زہر پھیلا رہا ہے نہ صرف کامیاب ہونگے بلکہ اسکی گہرائیوں سے بغض وکینہ

کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیجئے ۔"

(۲) "شمالی ہند ہی وہ خطہ ہے جہاں کہ یہ مدفون آتش فشان مادہ پھٹنے کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے جس سے کہ تمام ملک کے امن عامہ میں ایک زلزلہ افگن مصیبت کے پھیلنے کا قوی احتمال ہے ۔"

(۳) "اس وقت ہندوستانی مرد اور عورتیں اپنی خودداری اور قومی وقار کی واپسی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے انقلاب کے طلوع کا انتظار ہے ۔"

(۲) انقلاب کے اسباب

۱۸۵۷ء کا انقلاب جن اسباب کی بنا پر ہوا انکی رُوداد بہت بڑی تفصیل پر مشتمل ہے ۔ ہندوستانیوں کی غرض اس سے یہ تھی کہ ہندوستان کو انگریزی راج کی بدترین غلامی سے نجات دلاکر اپنی عظمت و وقار آزادی و خودداری کو پھر سے حاصل کیا جائے مگر انگریز اس بات کو چھپاتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نت نئے مظالم، توسیع سلطنت کیلئے ریاستوں کا الحاق، ڈلہوزی کی حکمتِ عملی، حکومت کی بد عہدی اور اسی طرح دوسری مکارانہ غداریوں کے راز کے انکشاف کا یقین ہے ۔ مصنف نے جس وجہ سے اس تفصیل میں جانا پسند نہیں کیا ۔ ہم اسکو بحث میں لانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے ۔ البتہ جن الفاظ سے اس موضوع پر اس کے خیالات کی ہلکی ہلکی شعاعیں پڑتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :۔

(۱) "غدر کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے "کھوئی ہوئی سلطنت" کا بناوٹی مؤرخ ذیل کے الفاظ میں اپنے جعل و فریب کی اسطرح نمائش کرتا ہے کہ غدر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی معنی میں بھی قومی بغاوت نہیں تھی ۔ سوائے صوبہ اودھ کے جو اسوقت مشکل سے انگریزی مملکت کا حصہ کہا جا سکتا ہے ، اودھ جیسے معمولی علاقہ کو مثال میں پیش کر کے مصنف نے فاش غلطی کی ۔ یہ مثال اور کمزور ہو جاتی ہے جب ہم جھانسی اور مرہٹوں کی طرف دیکھتے ہیں جنہوں نے پیشوا کی طاقت کو بحال کرنے کیلئے ناناصاحب کے ماتحت اس بغاوت میں حصہ لیا اور دوسری طرف مسلمانوں نے دہلی کی شہنشاہیت کے قیام کیلئے جد وجہد کی ۔"

(۲) "بنگالی مؤرخ بابو رومیش چندر دت لکھتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ہندوستان کے بڑے بڑے

Marfat.com

حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کئے جانے کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوئے کہ کمپنی کا منشا تمام ہندوستان کو فتح کر لینا ہے اسلئے تمام معاہدات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ بغاوت کے رہنماؤں نے اشتہارات اور اعلانات کے ذریعہ لوگوں کو غیر ملکیوں یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوسِ ملک گیری کی پالیسی کیطرف توجہ دلائی۔

(۳) نواب معین الدین حسن خان جو ہمارے محاصرے کے وقت دہلی میں موجود تھے لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں انگریزوں کی موجودگی ہندوستانیوں کے نزدیک مداخلتِ بیجا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اودھ کو اپنی مملکت میں ملا لینے سے یہ احساس اور زیادہ گہرا ہو گیا"۔

(۴) جنگِ آزادی کی یہ تحریک کس حد تک مقبول تھی یا صرف فوجی بغاوت کی حیثیت سے رہی جیسا کہ ہمارے مؤرخین بیان کرتے ہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں جنکا حل یقینی طور پر ابھی تک نہیں ہوا۔

(۵) مسٹر ڈزرائیلی وزیر اعظم انگلستان نے ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو اپنی تقریر میں کہا کہ "مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ محض فوجی تکلیف کی بنا پر بغاوت نہیں ہوئی بلکہ در پردہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھے تھے"۔

(۶) چربی والے کارتوسوں کا فوج میں استعمال کرنا بھی ایک سبب بتلایا جاتا ہے۔ لیکن مضامینِ کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ چیز فوجی شورش کی محرک تو ہوئی۔ لیکن عام سیاسی بے چینی اس سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ بہت سے مقامات پر سول آبادی نے اس سے پہلے بغاوت شروع کر دی تھی۔ جیسا کہ آکسفورڈ تاریخِ ہند اور دوسری تواریخ میں اس قسم کی بہت سی تصریحات موجود ہیں"۔

غرض آزادی کی یہ ایک ایسی جنگ شروع کیگئی تھی کہ جس کا مقصد کسی خاص مذہب یا فرقہ کی آزادی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس میں تقریباً ہندوستان کے تمام باشندے شریک تھے اور سب کا مشترک مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے پنجہ سے نجات دلائی جائے

(۳) واقعات کی تحقیق

تاریخی واقعات کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے مؤرخ کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایک غیر جانبدارانہ حیثیت کے ساتھ وثوق و اعتماد کے تمام ذرائع پر غور کرے۔ چنانچہ جہانتک دیکھا گیا ہے مصنف نے اکثر واقعات کو محققانہ طریق پر نقل کیا ہے، اور انگریزوں کے جبر و استبداد کا کوئی واقعہ بھی

Marfat.com

ایسا نہیں لیا جو خود ان کے نزدیک قابل قبول نہ ہو۔

انگریزوں کے برخلاف ہندوستانیوں کے [illegible] بیانات کو مصنف نے انہیں کے خطوں اور دستاویزوں سے ثابت کیا ہے اور ان تحریرات کی تائید میں پارلیمنٹ کے ریکارڈ اور حکومت کی محفوظ مسلوں کا حوالہ پیش کیا ہے۔ چونکہ ان شہادتوں کے وثوق پر کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تو اس لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن مظالم کی تفصیل اُن کے اندر آچکی ہے اس سے انگریزوں کو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن تحریروں کی براہِ راست حکومت یا اس کے ذمہ دار افراد کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ ان کے ثبوت میں دوسری قابلِ اعتماد شہادتوں کی ضرورت پڑیگی۔

مثلاً یہ کہ انگریزوں نے "زندہ مسلمانوں کے جسم پر سور کی چربی مل کر پھانسی دیا۔ یا زندہ آگ میں جلایا۔ اور ہندوستانیوں کو مجبور کیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں"

اگرچہ یہ کسی ذمہ دار انگریز کی تحریر سے براہِ راست ثابت نہیں لیکن جب مسٹر ڈی لین ایڈیٹر ٹائمز آف انڈیا جیسی معتبر اور مشہور ہستی اپنے ایک آرٹیکل میں اس پر وثوق کا اظہار کر چکی ہے اور حکومت اور اس کے ذمہ دار افراد نے اُس وقت کوئی تردید بھی نہیں کی۔ حالانکہ پریس پر حکومت کا پورا قبضہ تھا۔ نیز اس قسم کے دوسرے واقعات خود ارکانِ حکومت کی تحریروں میں بھی مذکور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف بھی اسکو ایک ناقابلِ انکار امر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور اس لحاظ سے یہ واقعہ تیقن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

ان واقعات کے ذیل میں اس قسم کی مختلف مثالیں ایسی بھی موجود ہیں جنکو مصنف نے اعتماد و وثوق کیساتھ نقل تو کر دیا ہے لیکن جن امور پر ان کی صحت و قبولیت کا دارومدار ہے ان کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے۔ مَیں یہ نہیں سمجھ سکا کہ مصنف کی نظرِ تحقیق ان واقعات سے کیوں ہٹی رہی حالانکہ اُنکی اہمیت بھی دوسرے واقعات سے کسی طرح کم نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور اہم واقعہ ہمارے سامنے آجاتا ہے جسکی تحقیق بھی ایک صحیح اور گہری نظر کی محتاج ہے۔ لیکن اسمیں مصنف نے اسکو جس شکل میں پیش کیا ہے وہ اسکو تاریخی حیثیت سے مشکوک بنا دیتی ہے اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ ایسا مخفی نہیں کہ جانبدارانہ اغراض کے ماتحت کسی قطع و برید کا متحمل ہو سکے۔ جبر و استبداد کے چنگیزی ہاتھوں نے جس معصوم اور مقدس خون سے پنجاب کی سرزمین پر اسکی داغ بیل ڈالی ہے وہ دنیا کی کسی مادی و عصبی طاقت کے ذریعہ سے محو نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

غدر کے اثرات کے سلسلہ میں اس حادثہ کو لاکر مصنف نے جس آئینہ سے دکھایا ہے، مجھے خوف ہے کہ وہ کہیں اُسکی جانبدارانہ ترمیم و تنسیخ کو فاش نہ کردے۔ کیونکہ اس واقعہ کی تفصیل میں جاکر اُس نے جس ڈھنگ سے سفاک ڈائر کے فعل کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے اسباب و علل کا جو گوشوارہ پیش کیا ہے۔ وہ حق بینی و حق پرستی کے پردوں کو پارہ پارہ کردیتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:-

"دوسری طرف جلسے کا انعقاد اس غرض سے عمل میں نہیں لایا گیا تھا کہ وہاں امن و سکون سے کسی متنازع فیہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا تھا اور نہ ہی وہ غیر مسلح تھے، سوائے اس کے کہ ان کے پاس بندوقیں وغیرہ نہ تھیں۔ عوام اکثر لاٹھیوں سے مسلح تھے"!

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جلیانوالہ باغ کے غیر محفوظ رقبہ میں بغیر اسلحہ کے کثیر التعداد انسانوں کا علی الاعلان اجتماع کرنا اگر اس غرض سے نہیں تھا کہ وہ وہاں با امن رہکر کسی متنازعہ فیہ مسئلہ کا حل تلاش کریں تو جس مقصد کیلئے یہ انعقاد ہوا اس کی تشریح کیا تھی اور کہاں تک مصنف نے اسکو یقین کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ صرف یہ کہدینا کہ "جلسے کا انعقاد اس غرض سے نہیں تھا" یا یہ کہ "وہ غیر مسلح نہیں تھے (اسلئے کہ) لاٹھیوں سے مسلح تھے"! ایک مدعی یا متدین مؤرخ کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں کرسکتا۔

اس واقعہ کی تفصیل میں ایک جگہ پر مصنف نے ایک اور چیز ایسی پیش کردی ہے جو اسکی مخفی جانبداری کو اور زیادہ روشن کردیتی ہے۔ چنانچہ وہ انگریزوں کے غیظ و غضب کو جائز و مناسب ثابت کرنے کیلئے ایک وجہ یہ بھی پیش کرتا ہے کہ "ایسے اشتہارات چسپاں کئے گئے جنمیں انگریز عورتوں کو بے عزت کرنے کی ترغیب دی گئی تھی"! قارئین جانتے ہیں کہ جلیانوالہ باغ کے حادثہ پر غدر خوض کرنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ مصنف اس کی اہم جزئیات کو ایسی شہادتوں سے فراہم کرتا جن کے اعتماد و وثوق پر کسی سمجھدار آدمی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی ظاہر ہے کہ اشتعال انگیز اشتہارات کا چسپاں کرنا بذاتہ ایسا سنگین واقعہ ہے کہ جسکا ذکر ہنٹر کمیٹی کی نیم سرکاری رپورٹ یا دیگر سرکاری یادداشتوں میں آنا ضروری تھا۔ بالخصوص جبکہ وہ ڈائر کے غیظ و غضب کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے ایک اہم وجہ ہوسکتی تھی لیکن افسوس کہ مصنف یہاں بھی حسب معمول دامن بچاکر نکل گیا حالانکہ وہ اسکو ایک مدعیانہ حیثیت سے پیش کرنے میں مطلقاً نہیں جھجھکا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات کے ماتحت مصنف کی دیانت اور

Marfat.com

انصاف کا دامن کہانتک پاک وصاف رہ سکتا ہے۔

(۴) ناکامی کے اسباب

انقلابی واقعات پر غور وخوض کر لینے کے بعد یہ ضروری تھا کہ اسکی ناکامی کے اسباب پر کافی طور پر روشنی ڈالی جاتی۔ دراصل اِن اسباب کا بیان ہی کتاب کا ایسا اہم باب ہے جس کے بغیر تمام مضامین نہ صرف یہ کہ اُدھورے رہجاتے ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی گرجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق چند معلومات حاصل کرلینا، خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو، اس کی تاریخی حیثیت کو واضح نہیں کرسکتا۔ جبتک کہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض نہ کرلیا جائے مثلاً جنگِ عظیم کا بیان اُسی وقت تاریخی حیثیت پیدا کرسکتا ہے جبکہ اس میں دولِ اتحاد واِئتلاف کی چیرہ دستیوں، انکی جارحانہ یا مدافعانہ دست درازیوں کے علاوہ جنگ کے اسباب اور فتح وشکست کے وجوہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہو۔ کیونکہ جنگی تواریخ سے محض یہ غرض ہوتی ہے کہ ناظرین اسکے مطالعہ سے قوموں کی فتح وشکست کے راز معلوم کرکے، سیاسی واخلاقی قابلیت کے اُن مدارج پر پہنچ جائیں۔ جنکے ذریعہ سے وہ اپنے تحفظ وبقا کا کافی طور پر انتظام کرسکیں۔ اس سے قوموں کے بننے، بگڑنے، اُبھرنے اور گرنے کا راز منکشف ہوتا ہے اور اسی روشنی میں غلام قومیں آزادی کی راہیں تلاش کرتی ہیں اور آزاد قومیں اپنی آزادی کو پنجۂ استعمار سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ متذکرہ صدر اسباب کے چھپانے میں غاصب اور متسلّط قومیں کسی قسم کی بددیانتی سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ وہ جانتی ہیں کہ تاریخ کا یہ ورق انکی مکّاری وغداری، بددیانتی وبدعہدی، جبر واستبداد، غصب وخیانت اور قتل وغارت کا کچا چٹھا پیش کرتا ہے۔

مصنّف کے سابقہ رویہ کو مدّنظر رکھکر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اسکی نظرِ تحقیق اس باب میں بھی کامیاب نہ ہوسکی ہو کیونکہ اس قسم کے مخفی اسرار ابھی تک جبر واستبداد کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اُن چیزوں کو بھی واضح کردوں جنکو عام طور پر ناکامی کے اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اُنکی روشنی میں غور وخوض کرلینے کے بعد اصلی بھید کا سُراغ لگ سکے۔ کیونکہ بعض دفعہ آثار وقرائن کے ذیل میں قطعی دلائل کا بھی پتہ

Marfat.com

چل جاتا ہے۔ بہرحال تحقیقی ذمہ داری سے قطع نظر کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل ہیں:-

(۱) ہندوستانی ریاستوں نے ہندوستانیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ (۲) جنگی قیدیوں کی عام سول آبادی نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ (۳) انگریزوں کے خلاف عام طبقہ میں کوئی پراپیگنڈا نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی عام سطح پر جنگ آزادی کی کوئی تحریک تھی۔ (۴) جدید اسلحہ اور سامانِ جنگ سے ہندوستانی مسلح نہیں تھے۔ (۵) ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملک کی دولت پر قبضہ کرکے اس کو کنگال کر دیا تھا۔ (۶) جنگجو ہندوستانیوں کی جماعت میں ایسے با اثر لوگ بھی موجود تھے جو اپنی اغراض کے ماتحت انگریزوں کے ساتھ در پردہ ساز باز کر چکے تھے۔ (۷) ہندوستان کی بری و بحری حدود میں امن تھا اور انگریز مکمل طور پر وہاں قابض تھے۔ صرف پشاور میں دو سو (۲۰۰) فوجیوں کو بغاوت کے الزام میں سخت سزائیں دی گئی تھیں لیکن اس سے عام سول آبادی میں کوئی خاص اثر پیدا نہیں ہوا تھا۔ (۸) عام لوگ اس وقت شخصی حکومتوں سے تنگ آچکے تھے اور ان کے سامنے اس قسم کا کوئی ایسا پروگرام نہیں رکھا گیا تھا جس کی رو سے یہ اطمینان ہوتا کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لینے کے بعد کوئی ایسی حکومت قائم کی جائیگی۔ جو ہندوستان کے مشترکہ مفاد کی محافظت اور عام طبقہ کی صحیح نمائندگی کر سکیگی۔ (۹) ملک کے اندر پھوٹ اور اختلاف پیدا کرنے کیلئے خطرناک ریشہ دوانیاں کام کر رہی تھیں۔ اس وجہ سے ہندوستانیوں میں فرقہ وارانہ حقوق و مفاد اور فوجی جھگڑوں نے افسوسناک صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ (۱۰) ذرائع نقل و حرکت اور سلسلۂ خبر رسانی پر انگریزوں کا کامل قبضہ تھا اور اسکے ساتھ پریس پر بھی پورا اقتدار تھا۔ (۱۱) اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اکیس چھاؤنیاں جنگ کی نذر ہو چکی تھیں مگر وہ اس قدر بکھری ہوئی تھیں کہ ان میں مطلقاً کسی قسم کی باہم شیرازہ بندی نہیں تھی۔ دوسرے سوائے میرٹھ کے کہیں بھی ہندوستانی معقول تعداد میں شریک نہیں تھے اور اگر کہیں تھے بھی تو انکا مرکزوں کے ساتھ کوئی اتصال نہیں تھا۔ برخلاف اس کے انگریزوں کے مراکز محفوظ اور مربوط تھے۔ (۱۲) ہندوستان میں تازہ دم انگریزی فوج انگلستان سے اس وقت پہنچ چکی تھی جبکہ ہندوستانی فوج کے سربرآوردہ اور محرک قائدین جنگ میں کام آچکے تھے۔ (۱۳) عقلِ خاجہ کے سامنے ہندوستان کی مظلومیت اور جنگ کے حقیقی اغراض کا کوئی خاکہ موجود نہیں

Marfat.com

تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف غلط پروپیگنڈے کے ذریعہ سے بغاوت اور سرکشی کا الزام ذہن نشین کرایا گیا تھا۔ (۱۴) نئے نظامِ حکومت قائم کرنے اور ہندوستانیوں کے ملکی و مذہبی مفاد کی حفاظت کرنے کے متعلق حکومت نے خوشنما وعدوں سے عوام کو لبھا دیا تھا۔

اِس تفصیل کو سامنے رکھکر ناظرین حق رکھتے ہیں کہ وہ اس کی ہر ایک دفعہ کو تاریخی معیار سے پرکھیں کیونکہ مَیں نے انکو مدعیانہ حیثیت سے پیش نہیں کیا بلکہ عام خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض چیزیں تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پُوری نہ اُتر سکیں لیکن واقعیت کے امکان سے خالی نہیں ہیں۔

بہرحال مصنّف کا یہ ایک اہم فرض تھا جو کسی نامعلوم مصلحت کی بنا پر اس نے نظرانداز کر دیا تھا۔ مگر ہماری اس مختصر تحریر نے اِس کمی کو پُورا کر دیا۔

(۵) پروپیگنڈا کی تفصیل اور اُسکے اثرات

پروپیگنڈے کی تفصیل اور اس کے اثرات پر جہانتک مصنّف نے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بہت بڑی حد تک قابلِ قدر ہے۔ کسی فریق جماعت کے ممبر سے اس قسم کی غیر جانبدارانہ صاف بیانی کا ظہور پذیر ہونا۔ اس کی مدبرانہ صلح پسندی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ مصنّف نے اپنی قوم کی ہفتاد سالہ غلط بیانی کو بے نقاب کرکے، حق و دیانت کی تصویر کے بعض تاریک گوشوں کو روشن کر دیا ہے۔ اب حق و باطل کے امتیاز میں بھی کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ناظرین کو چاہیئے کہ وہ جانبدارانہ جذبات سے الگ رہ کر بغور مطالعہ کریں۔ اور فریقین کے ساتھ حالات کو سامنے رکھکر موجودہ مشکلات کا حل سوچیں۔

جو قوم اپنی گذشتہ غفلتوں اور کمزوریوں کا تدارک نہیں کرتی وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کا مستقبل اُسی وقت روشن ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی اپنی تباہی کا احساس پیدا کرکے میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ اور ملک کی آزادی کیلئے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔ آزادی کی منزل کتنی ہی کٹھن اور راستہ کتنا ہی دشوار گذار کیوں نہ ہو۔ اسکی تمام کلفتیں ایک محبِ وطن کے لئے جان سے زیادہ عزیز اور پیاری ہوتی ہیں۔

Marfat.com

زمانہ نے بتلادیا کہ ابھی ابھی جان نثارانِ وطن کا ایک قافلہ اسی راہ سے گذرا اور منزلِ مقصود کو پہنچ گیا۔

راہِ آزادی کے اے ہندوستانی مسافر! تو بھی عبرت کی آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تیرے سامنے اُن کے نقشِ پا کی شوخیاں ہمت و استقلال، عزیمت و ایثار کی کیا کیا مثالیں پیش کر چکی ہیں، زمانہ نے تیرے لئے اب ایک جدید اور ہنگامہ خیز دَور کا آغاز کر دیا ہے۔ اسلئے اُٹھ! اور کمرِ ہمت باندھ، ذلت و ادبار کی گہرائیوں سے نکل! اور رفعت و بلندی کے آسمان پر چمک!

آخر میں یہ کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ان مختصر الفاظ میں عرض کیا گیا ہے۔ وہ دراصل "تصویر کے دوسرے رُخ" پر ایک سرسری نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک تنگ وقت اور نامناسب حالت میں تحقیق و تنقید کے فرائض کا ادا کرنا بہت حد تک دشوار ہے۔ باایں ہمہ جسقدر اصل حقائق کی طرف یہ ناظرین کی توجہ پیدا کر سکتا ہے۔ وہ بہت بڑی حد تک کافی ہے۔ ان معروضات کے بعد مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جہاں مصنف نے دنیا کے سامنے ہندوستان کی جنگِ آزادی کے متعلق مفید معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ پیش کر کے بہت سے تاریخی حقائق کا انکشاف کر دیا ہے۔ وہاں یہ بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ محترم شیخ حسام الدین صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کر کے علمی، ادبی، تاریخی اور اخلاقی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کر کے ملک و ملت کی ایک گرانبہا خدمت سرانجام دی ہے۔ مَیں نے جہاں تک دیکھا ہے ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہونے کے علاوہ ساتھ ساتھ معنوی خوبیوں سے بھی خالی نہیں۔ بہرحال ہمیں شیخ صاحب کی اس قابلِ قدر خدمت کا مشکور ہونا چاہئے۔

Marfat.com

پہلا باب

غدر

(۱)

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق اوّل درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے تو تمام سامعین یکلخت ایوان خالی کر دینگے۔ ایک زمانہ تھا کہ انگریزی علماء ہندوستانی علوم وفنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسائل پہ کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں اور انہوں نے ہمارے حسنِ انتظام کی کوئی قدر نہیں کی۔ قطع نظر اسکے ہم اب بھی ہندوستان کو اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم کافی قربانی اور خون گرانے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن جو شور وغل جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام پر ہوا تھا اُس سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم بُری طرح ناکام رہے ہیں کیونکہ ہم پہلے غدر کی طرح دوبارہ خون کی ندی میں تیر کر ہندوستان میں اپنے اجارہ کو فروغ دینا نہیں چاہتے۔ نیز گذشتہ عالمگیر جنگ کے اثرات نے نہ صرف ہمیں بہت حد تک خبردار کر دیا ہے بلکہ تھکا بھی دیا ہے یہی وجہ ہے کہ بحالاتِ موجودہ ہم تلخی اور نفرت کی مخلوط فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

ہندوستانی سول سروس جو ایک زمانہ میں ہمارے ہونہار اور قابل نوجوانوں کیلئے نہایت درجہ جاذبِ توجہ ہوا کرتی تھی۔ موجودہ دور میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اب نہایت معمولی قابلیت کے نوجوان نہایت ہی کم تعداد میں ہندوستانی ملازمتوں کیطرف رُخ کرتے ہیں۔ لیکن اس تمام غفلت اور انکار کے باوجود آثار وقرائن

Marfat.com

سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اپنے معاملات کے حل کے لئے جبراً ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اگرچہ ایک طرف آئرلینڈ نے خود اپنی قسمت کے حل کرنے کے حق کو ہم سے جبراً حاصل کر لیا ہے۔ اور شام و عراق کی گتھی ابھی تصفیہ کی منزل تک نہیں پہنچی۔ نیز گو مصر کے معاملے میں ایک حد تک پردہ ڈالنے میں ہم کامیاب بھی ہو گئے ہیں لیکن دوسری طرف ہندوستان تا حال ایک غیر مطمئن کیفیت کیساتھ ہمارے خلاف تلخی اور نفرت کے احساسات رکھتے ہوئے تکلیف کا موجب بنا ہوا ہے اور باوجودیکہ ہم نے ہندوستان میں باضابطہ حکومت کی طرح ڈال کر نہایت فیاضی سے اسکو اور نرم کر دیا ہے لیکن پھر بھی ہماری اس ابتدائی کوشش کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کی پیہم اور مسلسل مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہاں کی مجالسِ آئین و قوانین ایک نقل سے زیادہ حیثیت اختیار نہ کر سکیں یعنی ملک کے منتخب شدہ نمائندگان نے سالانہ آمد و خرچ کے میزانیہ کو مسترد کر دیا جسکی تلافی گورنروں اور وائسرائے کے خاص اختیارات سے کرنی پڑی۔ اندریں حالات ہم اس نتیجہ پر پہنچنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ یہ مصیبت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ اُس بڑی جدوجہد کا ابھی آغاز ہے چنانچہ موجودہ وقت میں ہندوستانی اژدھے سے محفوظ رہنے کیلئے انگلستان خواہ کتنی ہی بیزاری اور پریشانی کا اظہار کرے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ اسکی دستبرد سے ہمیشہ علیحدہ رہ سکے کیونکہ یہ بالکل صاف طور پر ظاہر ہے کہ اب اس نے حرکت کرنی شروع کر دی ہے۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقبل قریب میں دونوں اپنے اپنے راستوں پر چلتے ہوئے یقیناً کسی مقام اتصال پر باہم ملیں گے۔

(۲)

انگلستان کا ہندوستانی معاملات پر عدم توجہ کا اظہار کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو مدت سے زبان زدِ خلائق ہے۔ چنانچہ دارالعوام کے ہندوستانی مباحث کے خلاف ہندوستانی نہایت وحشیانہ شدت سے اظہار رائے کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ ایسے مباحث میں ممبران کی اکثریت تو سرے سے متنفر ہی رہتی ہے لیکن جو چند ممبران شریک بھی ہوتے ہیں تو وہ بھی پرلے درجے کی لاپروائی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ دو سال ہوئے کہ ایک تیس سالہ پرانے ممبر پارلیمنٹ نے میرے ایک دوست سے دریافت کیا کہ اس شخص کا کیا حال ہے جو ہمیں اکثر بہت تکلیف دیا کرتا تھا۔ جسکو "گاندرا" "گانڈی" یا ایسے

Marfat.com

کسی نام سے پکارتے ہیں۔ کیونکہ اب اسکے متعلق کوئی ذکر نہیں آتا۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ باوجود اس امر کے کہ سوال کنندہ پریوی کونسل کے ممتاز عہدے پر فائز ہے۔ لیکن وہ اس حد تک لاعلم ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کے زمانے کا نہایت ہی ممتاز انسان جو ہندوستانیوں کے نزدیک تمام مجالس وضع آئین و قوانین کے مقابلہ میں اکیلا تمام ملک کی نمائندگی کا حق رکھتا ہے۔ ایک غیر ملکی عدالت کے حکم سے جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔

ہندوستان سے ہماری لاپروائی کی پالیسی کے ثبوت میں بھی نہایت زبردست دلائل موجود ہیں۔ جو اگرچہ ہندوستانیوں کیلئے ایک معمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر ہم انہیں آسانی سے بیان کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی ہندوستان کو اپنا گھر نہیں رکھا جسکی تفصیل یہ ہے کہ شروع میں تو یہ خالصتہً تاجروں کی ایک کمپنی کی جولانگاہ تھا جو اپنے تجارتی مفاد کیلئے اس کے انتظام وغیرہ کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یعنی چند خاندانوں میں یکے بعد دیگرے رول یا فوجی افسران کے ذریعہ یہاں پر حکومت کی جاتی تھی۔ مگر برطانیہ کے وسیع متوسط طبقہ کیلئے ہندوستانی معاملات میں اس سے زیادہ اور کوئی دلچسپی نہ تھی کہ وہ چند پادریوں یا بہت سے تجارت پیشہ اصحاب کو یہاں بھیج دیتے تھے جو زیادہ تر کلکتہ بمبئی یا مدراس وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں تجارت کی کوٹھیاں کھولکر دولت اکٹھی کیا کرتے تھے۔

لیکن موجودہ زمانے میں اس بے تعلقی اور لاپروائی نے ہندوستانیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف غصے اور نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں اور دوسری طرف ہم بھی ہندوستان کے معاملات سے برداشتہ خاطر ہو گئے ہیں چنانچہ ایک یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر نے ہندوستان کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ اس تمام معاملے پر غور کرنے سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہم نے ہندوستان کیلئے وہ تمام مفید ترین کام جو ایک ملک دوسرے ملک کے لئے کر سکتا ہے کر دیئے ہیں۔ لیکن ہندوستانیوں نے ان کو نہایت ناشکری سے قبول کیا ہے مگر اسکے مقابلے میں ہندوستان میں ہمارے خلاف نفرت کے جذبات نہایت سرعت سے ترقی کر رہے ہیں جسکی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ ملک میں قحط اور افلاس روز افزوں ترقی کر رہا ہے جس سے انتہا پسند سیاست دان طبقہ فائدہ اٹھا کر ملک میں ایجی ٹیشن برپا کر رہا ہے لیکن دوسری طرف کسان اپنی بیچارگی اور غربت کی وجہ سے حکومت کے دست نگر ہیں جس سے معاملات اس حد

Marfat.com

تک پیچیدگی اختیار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے مجھے ایکدفعہ کہا کہ ہم ہندوستانی ایک نیم گرسنہ قوم ہیں اور ہماری خوراک میں جو صرف چاولوں اور ترکاری تک محدود ہے۔ غذائیت بالکل مفقود ہے جس کے صاف طور پر یہ معنے ہیں کہ محض زندہ رہنے کیلئے عنقریب ایک بہت بڑی جدوجہد شروع ہونیوالی ہے جیسی کہ ہمارے اپنے ملک میں بھی موجود ہے اندریں حالات حکومت روکنے کیلئے خواہ کتنی بھی سرتوڑ کوشش کیوں نہ کرے لیکن ناممکن ہے کہ مفلس اور فلاکت زدہ عوام میں بے اطمینانی کے بڑھتے ہوئے جذبات کو فرو کر سکے۔ چنانچہ صورتِ حالات کی اس نزاکت کو ہندوستانی انتہا پسند طبقہ نے بخوبی سمجھ لیا ہے اور آئے دن کے سیلاب اور قحط کی وارداتوں سے وہ ہر وقت حسب منشا فائدہ اٹھانے کیلئے بیتاب نظر آتا ہے۔ دوسری طرف ہمارا تعلیمی نصاب اس حد تک بے نتیجہ اور مایوس کن ہے کہ وہ بھی حالات کے خراب کرنے میں بہت بڑی امداد بن رہا ہے لیکن یہ تمام اسباب نفرت کے اصلی جراثیم کو ظاہر نہیں کرتے جو اس وقت ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ برطانوی نام کے خلاف مستقل اور ٹھوس نفرت کا جذبہ کارفرما ہے جس کے اسباب کی جستجو کیلئے جسقدر بھی جلد ہم کوشش کریں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ کیونکہ نفرت اور کشیدگی کی خلیج دن بدن وسیع ہو رہی ہے جسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے۔ کہ دماغ میں مشہور واقعات اور مظالم کی یاد زندہ ہے جسکی بنا پر ہمارے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات میں بھی نہایت سرعت کیساتھ ترقی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری طرح اور بھی بہت سے ایسے انگریز ہونگے جنکو ہندوستان میں یہی کیفیت نظر آئی ہو۔ اور وہ بھی نہایت دیانتداری سے اس کشیدگی یا صحیح تر الفاظ میں ہم سے علیحدگی اختیار کر لینے کی تحریک کے اصل اسباب اور وجوہ کی تلاش میں سرگرداں رہے ہوں۔ اور گرچہ اپنے زعم میں وہ اصل نتیجے تک پہونچنے سے ایک حد تک مطمئن ہو گئے ہوں۔ لیکن وہ اصل انہوں نے بھی مغالطہ ہی کھایا۔ کیونکہ جس چیز کو انہوں نے ایک ٹھوس اور مضبوط دیوار سمجھا تھا وہ درحقیقت ایک پردہ تھا جس کے نقش و نگار سے دیوار کا مغالطہ ہوا۔

(۳)

مصالحت کا فقدان نہانخانۂ دماغ کے کسی گوشے میں ایسا مخفی ہوتا ہے کہ جس تک رسائی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کی باہمی آویزش کبھی ایسا رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ وہ باوجود

Marfat.com

ایک الگ اور جداگانہ ماحول رکھنے کے بھی ایک دوسرے کیساتھ دست و گریبان ہو جاتی ہیں لیکن بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسری کی ہستی کو دنیا سے مٹا کر اپنی ہوسِ خودداری کو پورا کریں۔ خود اپنی قوت ایک بہت بڑی حد تک زائل کر دیتی ہیں۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے شیر و نہنگ کی مشہور چپقلش جو کہ ایک دوسرے کے درپے ہو کر ہوا اور امواج پر حملہ کر دیتے ہیں مگر اس تاخت و تاراج کی ناکام کوشش سے سوائے اس کے کہ اپنی قوت کا ستیاناس کر دیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اندریں حالات یہ ناممکن ہوتا ہے کہ اس قسم کے مستور اور پوشیدہ اسباب تک رسائی حاصل کر سکے مصائب و مظالم کے رِستے ہوئے ناسور کے اندمال کی کوشش کیجا سکے خصوصًا جبکہ ایک فریق اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ وہ بہیم اور مسلسل ناانصافیوں اور زیادتیوں کا شکار بنایا گیا ہے اور دوسری طرف فریقِ ثانی نے واقعات کی نشر و اشاعت اپنے مفاد کے مطابق دنیا میں اس حد تک کی ہو کہ وہ مبالغہ آمیزی میں کامیاب رہے۔ چونکہ تاریخ اور پریس دونوں پر اسکا قبضہ تھا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تلخی اندر ہی اندر اس حد تک مسموم اور زہریلی شکل اختیار کر لیتی ہے جو احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ انگریز اپنی طاقت کے باوجود مذکورہ ناانصافی کے اس حد تک خوگر ہو چکے ہیں۔ کہ ہندوستان کے متعلق اُن سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آئرلینڈ، جنوبی افریقہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ ہمارا سلوک اُس زمانہ میں جبکہ یہ ممالک ہماری نوآبادیاں تھیں۔ اگرچہ کسی قدر خراب ضرور تھا۔ لیکن اتنا سفاکانہ اور غیر منصفانہ نہیں تھا۔ جتنا کہ دنیا خیال کرتی ہے۔ آئرلینڈ والوں نے دل کھولکر امریکہ میں ہمارے خلاف پروپیگنڈا کیا کیونکہ ہماری مملکت میں کھُلے طور پر اس قسم کے اظہار خیال کرنے میں رکاوٹیں تھیں۔ چنانچہ آئرش مقررین نے ملک کی محبت کے نام پر پورے زور شور سے نہایت کامیابی کے ساتھ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکایا۔ جنوبی افریقہ کی بوئر قوم نے بھی برِ اعظم یورپ میں ہمارے خلاف کثرت سے جھوٹ کی اشاعت کی۔ اہلِ امریکہ نے بھی محض معمولی وجوہات کی بنا پر واقعات کو مبالغہ آمیزی کا رنگ دیا۔ میں یہاں پر کسی سخت جملہ کے استعمال سے احتراز کرتا ہوں اسلئے کہ وہ خود ہی اب فراخ دلی کیساتھ واقعات کا حقیقی انکشاف کر رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت اب واضح ہو رہی ہے کہ کیوں ہمکو ایک نہایت ہی غیر ضروری

58964

Marfat.com

جنگ میں ایسے وقت میں اُلجھا یا گیا جبکہ ہم اپنی سلطنت کے بقا و تحفظ کے لئے نیپولین (NEPOLEON) جیسے قوی دشمن سے برسرپیکار تھے۔ تاریخ کو نہایت نیا مہنی کے ساتھ دوبارہ لکھا جا رہا ہے جس سے ہمیں کافی نفع مترتب ہو رہا ہے۔ یعنی اب دنیا کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ صرف انگریز قوم ہی ہمیشہ منافق یا خونخوار نہیں رہی بلکہ تحمل اور بُردباری سے ہم نے اس تمام مفتریانہ پراپیگنڈا کو برداشت کیا ہے۔ اسی سے ہی ہماری صداقت دنیا پر آشکارا ہو رہی ہے۔ لیکن کیا تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے پر نہیں جنکی نشر و اشاعت میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو۔ اب جبکہ امریکن مورخین کی فیاضی سے ہمارے خلاف بدنامی اور تہمت تراشی کے گھناونے بادل چھٹ رہے ہیں تو کیا ہم پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ ہم بھی ہندوستان کے معاملات میں ویسی ہی فراخ دلی کا ثبوت دیں۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہم نے نیک نیتی کے ساتھ قدم اٹھایا تو ہم اس سرچشمہ تک پہونچنے میں جو آج نہایت تیزی کیساتھ ہمارے خلاف نفرت و عداوت کا زہر پھیلا رہا ہے نہ صرف کامیاب ہونگے بلکہ ہم اُس کی گہرائیوں سے بُغض اور کینہ کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دینگے۔

ہندوستانی مورخ نہیں کیونکہ غیر جانبدارانہ تنقید کی قابلیت ان میں نہیں ہوتی۔ انکی نہایت ہی مفید کتابیں تحقیق و علم کی بُہتات کے باوجود پڑھنے والے کی طبیعت کو اُلٹا پریشان کر دیتی ہیں۔ جنکی غالب وجہ یہ ہے کہ کتاب کا بیشتر حصہ کثرتِ تکرار اور غیر ضروری تشریح کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور تنقیدی قابلیت کی کمی کی وجہ سے کتاب کا وہ اثر نہیں رہتا۔ چنانچہ ہندوستانی مورخین سے یہ توقع نہیں کیجا سکتی۔ کہ وہ ہمارے تعلقات اور سلوک کی جملہ کیفیتوں پر الگ الگ بحث کر سکیں کیونکہ وہ اپنی معلومات اور تحقیقات کو مرغوب طریق سے ترتیب دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ بنا بریں جب وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک نہایت ہی ضروری اور اہم واقعہ کی نشر و اشاعت ارادۃً غلط طور پر کی ہے۔ جو نہایت ہی نامناسب ہے اور یہ کہ اسکی تلافی سے وہ صحیح واقعات کی نشر و اشاعت میں ناکام ہو چکے ہیں تو اسکا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہوگا کہ ان کے دلوں میں ہمارے برخلاف بغض و عداوت کے جراثیم جڑ پکڑ جائینگے۔

(۴)

ہندوستان میں آکسفورڈ تاریخ ہند (OXFORD HISTORY OF INDIA) کی اتنی شدید

مخالفت کیوں کیگئی ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ غدر کے رنجدہ واقعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے فاضل مصنف نے کسی قدر سرد مہری اور بے اعتنائی کا ثبوت دیا ہے لیکن بذاتہ وہ ایک ایماندار اور منصف مزاج انسان ہے اور ہندوستان کا سچا بہی خواہ۔ کتاب کی تصنیف میں اسناد سے پوری تحقیقات اور غور و فکر سے کام لیا گیا ہے اور نہایت ہی متناسب طریق سے واقعات کی جانچ پڑتال کی ہے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جس کے حصول کے لئے ہندوستانیوں میں ابھی ضروری صبر اور غیر جانبدارانہ قابلیت کی ضرورت ہے باایں ہمہ مصنف کی ان خوبیوں کو نظر انداز کر کے داستانِ غدر کے طرزِ بیان میں ہندوستانیوں نے ایک خاص تلخی محسوس کی ہے۔ اور مصنف کی سرد مہری اور لاپروائی کے خلاف ویسی ہی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جسطرح اُن مصنفین کے خلاف کیا گیا تھا۔ جنہوں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ ایک ایسی مفید کتاب اس سے بھی کہیں زیادہ مفید اور قیمتی دستاویز بن جاتی۔ اگر انداز بیان میں تھوڑی سی گرمی اور فراخدلی کا اور اضافہ کر دیا جاتا جس سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا کہ مصنف کا مقصد صرف واقعات کی تصحیح اور سچائی کو بے نقاب کرنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ صدمات کا ازالہ بھی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کتاب میں مذکورہ گرمی اور فراخدلی عنقا ہے۔ مزید برآں یہ کتاب چونکہ آکسفورڈ کی سرکاری درسگاہ سے شائع ہوئی ہے اس لئے اس کے مخصوص طرزِ بیان کو ہندوستانیوں نے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی طرح محسوس کیا ہے جو معلوم نہیں ابھی اور کتنے عرصہ تک اسی طرح تکلیف دہ رہیگا۔

سرزمینِ ہند میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے متعلق جو نقش قارئین (فرنگی اقوام) نے اپنے دماغوں پر بٹھایا ہے وہ اُسے بھولے نہیں ہونگے۔ ہمارے مورخین اور افسانہ نگاروں نے اس موضوع پر نہایت واضح طور سے ایک خاص قسم کا پراپیگنڈا کیا ہے۔ چنانچہ عام طور پر ایک ہندوستانی کی سیرت کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے "نیم شیطان اور نیم بچہ۔ ناتربیت یافتہ۔ قانع۔ کُتے کی طرح وفادار اور اطاعت شعار۔ تصوف کا شیدائی اور خیالستان میں محو۔ لیکن ان اعلیٰ صفات کے ساتھ ساتھ اُس میں ایک دغاباز باغی اور ایک خونخوار مذہبی دیوانہ بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے" بمقابلہ اس کے ایک انگریز کی سیرت کا خوڑا اسطرح پیش کیا جاتا ہے "متین، قابل، انصاف کی ایک نہ ٹلنے والی چٹان۔

Marfat.com

ہو، ہر ایک کیساتھ اُس کی حیثیت کے مطابق سلوک کرنیوالا"

اس قسم کی بے بنیاد اور مذموم سیرت نگاری کے خلاف اگر ہندوستانی نفرت کا اظہار کریں یا رڈیارڈ کپلنگ (KIPLING) جیسے مشہور برطانوی ناول نویس کے نہایت ہی بلند پایہ افسانوں کو پڑھتے وقت تکلیف اور بے عزتی کے جذبات ہندوستانی قلوب کے اندر پیدا ہوں تو یہ کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوگی۔ متعدد ایسے واقعات کو جنہیں ہمارے مورخین نے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے۔ ہندوستانیوں نے نہ صرف اُن کی صحت سے ہی انکار کیا ہے بلکہ انہیں غلط ثابت کرنے کے لئے ہمیں بہ بانگِ دُہل چیلنج بھی کیا ہے۔ بایں ہمہ اُنکا اس ایک واقعہ (غدر ۱۸۵۷ء) کے متعلق خاموشی اختیار کرنا محض اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ اسکو گذرے ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی اور فریقین کے دلوں میں اسکی تلخ یاد ابھی تک تازہ ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ ان واقعات کے متعلق انگریزوں کا نقطۂ نظر اُن کے عالمگیر پراپیگنڈا کے زیر اثر نہایت مضبوطی سے جم چکا ہے۔ جو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بدقسمتی سے اس حادثہ میں ہم ایک بڑے پیمانے پر ظالمانہ نا انصافی کے مجرم بنے ہیں۔ اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ فریقین کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف تلخی کے جذبات مٹ جائیں تو ہمیں لازمًا اس حادثۂ فاجعہ یعنی غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق اپنے خیالات کو بدلنا ہوگا۔ جنوبی ہندوستان مشکل سے غدر سے متاثر ہوا اور اب بھی اُس کے خیالات پر اس تلخ یاد کا کوئی گہرا اثر باقی نہیں۔ گو اس ایک امر کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جنکی رو سے جنوبی ہند میں اس حد تک نسلی منافرت اور عام بے اطمینانی کے جذبات اثر پذیر نہیں ہوسکے جتنے شمالی ہند میں موجود ہیں۔ مگر شمالی ہند ہی وہ خطہ ہے جہانکہ یہ مدفون آتش نشان مادہ پھٹنے کیلئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے جس سے کہ تمام ملک کے امن عامہ میں ایک زلزلہ فگن مصیبت کے پھیلنے کا قوی احتمال ہے۔ بہت سے ہندوستانیوں کے دماغ میں کسی انگریز سے مخاطب ہوتے وقت غدر کے مصائب کا خیال ایک ایسے بھوت کی طرح مسلط رہتا ہے جس نے اپنا بدلہ نہ لیا ہو، اور جس کی تمنائیں تاحال پوری نہ ہو چکی ہوں۔

(۵)

غدر کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے "کھوئی ہوئی سلطنت" (THE LOST DOMINION)

Marfat.com

کتاب کا بناوٹی مؤرخ ذیل کے الفاظ میں اپنے جعل و فریب کی اس طرح نمائش کرتا ہے کہ:-

"غدر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی معنے میں بھی قومی بغاوت نہیں تھی سوائے صوبہ اودھ کے جو اُس وقت مشکل سے انگریزی مملکت کا حصہ کہا جا سکتا تھا"۔[1]

اودھ جیسے معمولی علاقہ کو مثال کے طور پر پیش کر کے اس کتاب کے مصنف نے ایسی فاش غلطی کی ہے جو کسی معمولی مؤرخ سے بھی نہ ہوتی۔ یہ مثال اور کمزور ہو جاتی ہے جب ہم جھانسی اور مرہٹوں کی طرف دیکھتے ہیں جنہوں نے پیشوا کی طاقت کو بحال کرنے کیلئے نانا صاحب کے ماتحت اس بغاوت میں حصہ لیا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں نے دہلی کی شہنشاہیت کے دوبارہ قیام کیلئے جد و جہد کی۔ چنانچہ آکسفورڈ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ:-

"غدر اگرچہ بادی النظر میں بنگالی دستہ کی ایک فوجی بغاوت تھی جو چربی والے کارتوسوں کے استعمال سے بھڑکی۔ لیکن آخر کار یہ صرف فوج تک محدود نہیں رہی۔ سول رعایا میں بھی بہت حد تک بے چینی اور بے اطمینانی کے جذبات موجود تھے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر فوجی سپاہیوں کی بغاوت سے پہلے وہاں کی سول آبادی نے بغاوت شروع کر دی"۔[2]

بنگالی مؤرخ بابو رومیش چندر دت لکھتا ہے کہ:-

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں شمالی اور وسطی ہندوستان کی فوج میں بغاوت شروع ہوئی۔ لیکن بعض سیاسی اسباب کی وجہ سے اُس نے وہاں کی بڑی بڑی جماعتوں میں پھیل کر ایک عام سیاسی بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں ہندوستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کئے جانے کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوئے کہ کمپنی کا منشا دراصل تمام ہندوستان کو فتح کر لینا ہے۔ اس لئے اس مقصد کے زیر اثر کمپنی نے تمام معاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے لوگوں میں عام بے چینی تو موجود ہی تھی جس سے بغاوت کے رہنماؤں نے فائدہ اٹھا کر اشتہارات اور اعلانات کے ذریعہ لوگوں کو غیر ملکیوں یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوس ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی"۔[3]

نواب معین الدین حسن خان جو ہمارے محاصرے کے وقت دہلی میں موجود تھے، لکھتے ہیں کہ:-

[1] P. 47. BY AL CORTHILL. [2] P. 722. [3] INDIA IN THE VICTORIAN AGE, P. 223.

"میں اپنے قصے کو اس بیان سے شروع کرونگا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی موجودگی ہندوستانیوں کے نزدیک ما قبلت بے جا کی حیثیت رکھتی ہے اور اودھ کو اپنی مملکت میں ملا لینے کے بعد یہ احساس اور زیادہ گہرا اور شدید ہو گیا۔ ہندوستانی فوج کی بغاوت کے جو اسباب انگریز مورخین نے بیان کئے ہیں۔ انگریز قوم ان سے بخوبی واقف ہے لیکن ہندوستانیوں کے خیالات اس معاملہ میں ان سے بہت بڑی حد تک مختلف ہیں۔" ؎۱

مسٹر ڈزرائیلی (DISRAELI) وزیر اعظم انگلستان نے ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ:-

"مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ بنگالی دستہ کے باغیوں نے محض فوجی تکلیفات کی بنا پر بغاوت نہیں کی بلکہ درپردہ وہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھے تھے۔ دوسری قوموں کے جذبات کا احترام کرنا ہماری حکومت کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے جسکو گورنمنٹ ہند نے گذشتہ چند سالوں سے بالکل خیرباد کہہ دیا ہے۔ چنانچہ اسکا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ملک کی تقریباً تمام مقتدر جماعتیں اپنے آپکو خطرہ میں محسوس کر رہی ہیں۔" ؎۲

جنگِ آزادی کی یہ تحریک کس حد تک مقبول تھی یا صرف ایک فوجی بغاوت کی حیثیت سے شروع ہوئی تھی جیسا کہ ہمارے مورخین نے ہمیشہ بیان کیا ہے۔ یہ ایسے سوالات ہیں جنکا حل یقینی طور پر ابھی تک نہیں ہوا۔ البتہ حیرت تو اس امر کی ہے کہ اس قسم کی غیر معمولی اہمیت رکھنے والا حادثہ آجتک نہ صرف غیر جانبدارانہ تحقیقات کا شرمندہ رہا ہے بلکہ بالکل یکطرفہ بیانات کو ہی اصل اور صحیح سمجھا گیا ہے۔

دوسرا بڑا سبب جس سے بغاوت کی آگ فی الفور بھڑک اٹھی۔ جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے چربی والے کارتوسوں کا قضیہ ہے۔ اخلاقی تنزل (گراوٹ) کی اس سے بڑھکر مکروہ مثال اور کہیں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ مورخ لیکی (LECKY) لکھتا ہے کہ:-

"یہ کانپور کا خوفناک ہنگامہ جو اگرچہ ایک آدمی کے باعث وقوع پذیر ہوا۔ انگریزی قوم کے دماغ پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ وہ اس کے متعلق متانت اور سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ اور ایک

؎۱ THE INDIAN NARRATIVE OF THE MUTINY BY C.T. METCALFE, P.31,32-

؎۲ THE LIFE OF BENJAMIN DISSALLI BY G.R. BUCKLE CH IV. P.88-

Marfat.com

ایسی لڑائی جس میں کہ فریقین نے ایک دوسرے پر ذرہ برابر بھی رحم روا نہیں رکھا۔ نظر[یہ]
ایک انتہا درجہ کی بربریت اور وحشت کا مظاہرہ ہے۔ انگریز مورخین اگر غور سے اس واقعہ پر نظر[ڈا]
کریں تو ان کو نہایت ندامت اور شرمندگی سے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اگر کسی بغاوت
کیلئے کوئی جائز وجہ کا امکان ہوسکتا ہے تو موجودہ حادثہ میں اس سے بدرجہا
زیادہ مضبوط اور قوی وجہ ہندوستانی سپاہیوں کیلئے موجود تھی"۔ [1]

لارڈ رابرٹس (ROBERTS) مسٹر اینسن (ANSON) کی ایک چھٹی کا اقتباس پیش کرتے ہیں
جو اس نے غدر کے ایام میں بہ حیثیت سپہ سالار لارڈ کیننگ (CANNING) وائسرائے ہند
کو لکھی تھی:۔

"کارتوسوں کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے سپاہیوں کے اعتراضات پر مطلقاً کوئی حیرت نہیں ہوئی
مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ کارتوسوں میں ایسی چکنی چیز کا استعمال کیا جائیگا۔ یہ بالکل چربی ہے
گولی کے دبانے کے بعد بندوق کے منہ کی جالی اسی چربی سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے"۔ [2]
اس کے بعد اپنی رائے کو ذیل کے الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ:۔

"میری رائے میں ان کارتوسوں کے استعمال سے سپاہیوں کے مذہبی جذبات کو ناقابل یقین طریقہ
سے ٹھکرا دیا گیا ہے"۔ [3]

جب اس ناقابل استعمال چیز کے استعمال پر اصرار کیا گیا تو سپاہی آپے سے باہر ہو گئے اور ...
فوج کی بٹالین نمبر ۳ کے پچاسی (۸۵) جوانوں نے اس کے استعمال سے صاف انکار کر دیا۔ جس
جنہیں فی الفور فوجی عدالت کے روبرو پیش کر کے دس سال عمر قید کی سزا اسی وقت سنا دی
جنمیں سے گیارہ نوجوان سپاہیوں کی سزا میں پانچ سال کی تخفیف کر دی گئی۔ اس منتقمانہ ...
کا حکم ۹ مئی کو ایسے ذلیل کن طریقے سے سنایا گیا جو بالکل تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ ایک انگ[ریز]
مورخ نے اس انسانیت سوز نظارہ کا فوٹو ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"بندوقوں اور سنگینوں کے پہرے میں پچاسی جوانوں کو ان کے اپنے فوجی لباس میں سپاہ[یوں]
کی حیثیت میں فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور سزا کو بلند آواز سے سنایا گیا۔ جس کا مقص[د]

---

[1] THE MAP OF LIFE 1921 EDITION, P. 104. [2] FORTY ONE YEARS IN INDIA,
P. 94. [3] IBID, P. 131.

Marfat.com

سپاہیوں کو بدکار مجرموں کی فہرست میں داخل کرنا تھا فوجی نشانات اُن سے چھین لئے گئے اور وردیاں انکی پشت کی طرف سے پھاڑ دی گئیں ۔ پھر لوہار زنجیریں اور اوزار لیکر آگے بڑھے اور آناً فاناً میں وہ پچاسی جوان اپنے ساتھیوں کے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے انتہائی بے عزتی کی تمام روشن اور ظاہر علامات کے ساتھ یعنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے نظر آئے ۔ یہ نہایت ہی دردناک اور ذلت آفرین نظارہ تھا جس سے سپاہی بے حد متاثر ہوئے ۔ بالخصوص جب انہوں نے اپنے بدقسمت ساتھیوں کی اس ناگفتہ بہ حالت اور مایوسانہ انداز کو دیکھا حالانکہ اُن میں سے بعض اپنی پلٹن میں نہایت ہر دلعزیز تھے اور انہوں نے متعدد دفعہ اپنے آپکو خطرے میں ڈالکر برٹش حکومت کی ترقی اور وفاداری کا ثبوت بھی دیدیا تھا ۔ قیدیوں نے ہاتھ اٹھا کر بآواز بلند جرنیل سے گڑگڑا کر رحم کی درخواست کی کہ ان کو اس شدید مصیبت اور ہلاکت سے بچا لیا جائے ۔ پھر یہ دیکھکر کہ اس طریقہ سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بے عزتی کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انہیں شرمندہ کیا اور غیرت دلائی ۔ اُس وقت ایک بھی سپاہی اُس میدان میں ایسا موجود نہیں تھا جس نے اپنے سینے میں اس واقعہ سے نفرت اور رنج کے جذبات اُٹھتے ہوئے محسوس نہ کئے ہوں ۔ لیکن بھری ہوئی میدانی توپوں اور بندوقوں اور سواروں کے چمکتے ہوئے خنجروں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ قیدیوں کو ان کی کوٹھڑیوں میں لیگئے ۔ جنپر پہرہ دینے کیلئے انہی کے ساتھیوں کو متعین کیا گیا تھا ! لہ ایسے اشتعال انگیز مظاہرے کے بعد دیسی سپاہیوں کا پہرہ لگانا لارڈ کیننگ (CONNING) کی رائے میں "ایک بعید از قیاس حماقت" ہے اور غدر کے پھوٹنے کے کچھ عرصہ بعد باوجود اس امر کے کہ چاروں طرف سے دھڑا دھڑ پھانسیاں دیجا رہی تھیں ۔ لیکن اس پر بھی مزید سختی کا مطالبہ زوروں پر تھا ۔ اس وقت لارڈ موصوف نے اس خونریزی کی آگ کو فرو کرنے کے لئے ذیل کے الفاظ میں جواب دیا :-

"گورنمنٹ کی معتدل پالیسی پر حرف گیری کرنا اور اُسے غدر کے پھوٹنے کی بنا قرار دینا درست نہیں بلکہ درحقیقت اس آگ کا محرک وہ بیدردانہ سزا کا حکم ہے جو نہایت ہی ذلیل طریق سے

لہ KAYE'S HISTORY OF THE SEPOY WAR (9TH ED 1880) BOOK IX CHAP III)

میرٹھ کی چھاؤنی میں صادر کیا گیا تھا۔" [1]

غدر کے واقعہ کے دوسرے دن :۔

"سواروں کی ایک پلٹن اور دو پیادہ پلٹنوں نے بغاوت کر کے سب سے پہلے جیل کو توڑا اور اپنے تمام ساتھیوں کو آزاد کیا۔ اس سے فارغ ہو کر اپنے افسروں کے بنگلوں پر حملہ کر کے ہر اُس فرنگی کو جو اُن کے ہتھے پر چڑھا، بیدردی سے تہ تیغ کیا۔ جس کے بعد انہوں نے دہلی کی طرف یلغار کی۔ ہندوستان کے غدر کی ابتدا عام طور پر اِس دن یعنی ۱۰۔ مئی ۱۸۵۷ء سے شمار کی جاتی ہے۔" [2]

بربریت اور کمینگی جو دنیا میں ہمیشہ ایسی مذموم غلامانہ بغاوتوں کا لازمی نتیجہ ہُوا کرتی ہے پورے زور سے انسانیت اور شرافت کا ماتم کر رہی تھی۔ چنانچہ دہلی پہنچتے ہی باغیوں نے نہایت سفاکی اور بے رحمی سے انگریز عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

(۶)

تاریخ عالم میں آقاؤں کے خلاف غلاموں کی بغاوتیں اختتام پر محارب فریقین کی طرف سے قربانیوں اور شیطانی ناانصافیوں کا ذخیرہ ہمیشہ چھوڑ دیا کرتی ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو مشکل سے کوئی واقعہ ایسا ملیگا جس میں فریقین نے ایکدوسرے پر رحم کا اظہار کیا ہو، ورنہ دونوں طرف سے خوف و دہشت کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے۔ یہانتک کہ ایک فریق دوسرے کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں جزیرہ جمیکا (JAMAICA) کے غلاموں کو بغاوت کی پاداش میں زندہ آگ میں جلایا گیا اور توپوں سے باندھکر اُڑا دیا گیا۔ چنانچہ گورنر آئر (EYRE) کے عہدِ حکومت (۱۸۶۵) میں باغیوں کے پس ماندگان کو نہایت کثیر تعداد میں پھانسیوں پر لٹکا کر یا کوڑے مار مار کر ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ ڈیمیرارا (DEMERARA) میں ۱۸۲۳ء میں :۔

"تیئس باغیوں کو تو صرف کرنیل لیہے (LEAHY) کے حکم سے فی الفور جان سے مار دیا گیا اس کے علاوہ بے شمار انسانوں کو فوجی عدالت کے حکم سے قتل کیا گیا۔ مارشل لا یعنی فوجی قانون پورے پانچ سال تک نافذ رہا اور تقریباً دو سو آدمیوں پر مقدمات چلائے گئے۔ صرف ایک ماہ کی قلیل مدت کے اندر سینتالیس مردوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا جن میں

[1] EARL CANNING BY SIR H. CUNNIGHAM. [2] OXFORD HISTORY OF INDIA, P. 715.

Marfat.com

بعض کی لاشوں کو تو زنجیروں میں جکڑ کر عام شاہراہوں میں لٹکا دیا۔ اور بعض کے سر کاٹ کر بانسوں پر لٹکائے گئے۔ باقی ماندہ مجرموں کو نہایت بیدردی اور وحشیانہ طریق سے کوڑوں اور بیدوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ جو ایک مجرم کیلئے دو سو سے لیکر ایک ہزار تک لگائے جاتے تھے۔ [1] ریاستہائے متحدہ امریکہ میں وحشیانہ قتل وغارت کے واقعات اب بھی دیکھنے میں آتے ہیں جہاں بدقسمت حبشیوں کو معمولی جرائم کی پاداش میں اگرچہ فرضی ہی کیوں نہ ہوں بعض دفعہ نہایت دردناک سزائیں دی جاتی ہیں اور اکثر حالات میں تو وہاں کے مروجہ قانون کی امداد تک سے محروم رکھا جاتا ہے چنانچہ بے گناہ انسانوں کو پکڑ کر نہایت سنگدلی سے انکو گرم میخوں سے داغ دیا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ اس اذیت کے صدمے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیدیتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ بربریت کی نمائش اب رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے۔

غلام ممالک میں بے اطمینانی کی وجہ سے فوجی بغاوتیں عام طور پر نہایت ہی ہیبتناک ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے کہ فریقین مسلح ہونے کے باعث فی الفور انتقام لینے پر اتر آتے تھے۔ ایک دوسرے پر دل کھولکر مظالم کرتے تھے۔ کارتھیج (CARTHAGE) میں اجارہ داروں نے دو دفعہ بغاوت کی جس کے فرو کرنے کیلئے ہزارہا انسانوں کو سولی کے تختے پر لٹکا یا گیا۔ سپارٹیکس (SPARTACUS) کے ماتحت شمشیر باز سپاہیوں کی بغاوت اس سے زیادہ وحشیانہ طریق سے فرو کی گئی۔ یعنی رومن جرنیل پومپی (POMPEY) نے روم (ROME) سے لیکر اوسٹیہ (OSTIA) تک سڑک کے کنارے کنارے دونوں طرف چھ ہزار سولیاں لٹکا دی تھیں۔ آکسفورڈ تاریخ ہند کا مصنف اپنی مخصوص محتاط زبان میں ہندوستانی غدر کی خونریزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"یہ بغاوت اپنے پیچھے بے شمار خوفناک حوادث، بے انتہا مصائب اور متعدد ایسے مکروہ اور رنجدہ واقعات چھوڑ گئی ہے کہ جن کے ذکر کرنے سے بھی قلب کو صدمہ پہنچتا ہے۔" [2]

لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور مؤرخ جو اشارات میں گفتگو کرنی پسند نہیں کرتا۔ واقعات کی تصویر جس میں ہمارے نزدیک مبالغہ کا شائبہ بھی نہیں، ذیل کے الفاظ میں کھینچتا ہے:-

"یہ ہنگامہ بظاہر دو وحشی اقوام کے درمیان رونما ہوا تھا جن کے دماغوں سے سوچنے کی طاقت مفقود ہو چکی تھی۔ اور رحم و انصاف کے جذبات اُن کے سینوں سے رخصت ہو گئے تھے۔ صرف ایک ہی

[1] SMITH OF DEMERARA BY DAVID CHAMBERLAIN, P.73. [2] P. 723.

خیال دونوں فریق پر غالب آچکا تھا کہ کس طرح ایک دوسرے کو ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کیا جاسکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے نہایت ہی وحشت اور درندگی کا ثبوت دیا۔ اور دونوں کی طرف سے اس قسم کے دل ہلا دینے والے سنگین افعال سرزد ہوئے۔ جن پر پردہ پوشی ہی زیادہ مناسب ہے!" ؎۱

(۷)

لیکن افسوس ہے کہ اس پردہ پوشی میں بھی معاندانہ رنگ اختیار کیا گیا یعنی انگریز مورخین نے اپنی قوم کی سیاہ کاریاں چھپانے میں تو پوری سرگرمی کا اظہار کیا مگر دوسری طرف ہندوستانی زیادتیوں کی خوب دل کھول کر تشہیر کی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم ان مستور اور پوشیدہ واقعات کے رُخ سے نقاب اُلٹ کر ایک فیصلہ کن نظر ڈالیں تاکہ دنیا کے سامنے اس واقعہ کا دوسرا رُخ پیش کیا جاسکے۔ نیز غم و غصہ کی اُس آگ کا اندازہ کیا جاسکے جو اِس وقت تک ہندوستانی سینوں میں ہمارے خلاف سُلگ رہی ہے۔ ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں سرکاری حکم سے پھانسیاں دینے کا واقعہ ہی ایک ایسی روشن مثال ہے جو دنیا کے اطمینان کے لئے کافی ہوگی۔ ایکسو بیس[۱۲۰] انسانوں کو ایک ناکام مگر قبل از وقت بغاوت کے جرم میں ماخوذ کیا گیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ سختی کی پالیسی پر عمل کیا جائے جسے مستقبل میں ہمدردی سے تعبیر کیا جائیگا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ باغیوں کی کثیر تعداد ایسے اشخاص پر مشتمل ہے جو بالارادہ بغاوت پر آمادہ نہیں ہوئے بلکہ ایک عام ہنگامے کے سیلاب میں بہہ کر اُن افعال کے مرتکب ہوئے۔ اور اگرچہ انہوں نے اپنے افسران کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کیا لیکن انہوں نے اپنے افسران کا خون گرانا پسند نہیں کیا۔ یہی باعث تھا کہ ان کے لئے عفو و رحم کی صدا بھی بلند کی گئی۔ چنانچہ مسٹر نکلسن (NICHOLSON) ڈپٹی کمشنر پشاور نے مسٹر ایڈورڈز (EDWARDOS) نے صاف الفاظ میں پلٹن نمبر ۵ کے قیدیوں کے متعلق سفارش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس پلٹن کے تمام افسران متفق الرائے ہیں کہ یہ سکھ آخر وقت تک ہمارے حق میں تھے۔ گو وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت نرمی کے خیالات کو ہٹا کر سختی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔ مگر بایں ہمہ یہی سفارش کرونگا کہ نوجوان رنگروٹوں اور سکھ سپاہیوں کی جان بخشی کی جائے۔ میری رائے میں آپ بیشک باقی باغیوں کو توپ سے اڑادیں لیکن ایسے نوجوانوں کو جو بمشکل ابھی لڑکپن کی عمر سے گذرے ہیں اور سکھ سپاہیوں کو جو آخر وقت تک مطیع و فرمانبردار رہے ہیں

؎۱ FRANK BRIGHT, HISTORY OF ENGLAND, PERIOD IV, P.328.

Marfat.com

اگرچہ آخر میں انہوں نے لغزش کھائی۔ اور اپنے آپکو بغاوت کے سیلاب کی نذر کر دیا ہے مرور رحم کیا جائے۔ اسپر سر جان لارنس (SIR JOHN LAWRENCE) نے جواب میں لکھا کہ چونکہ یہ ہمارے خلاف لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے ہیں۔ اس لئے کسی قسم کے رحم کے مستحق نہیں۔ بہرحال مزید غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سب کو موت کے گھاٹ اُتارنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ میرے خیال میں ہمارا یہ فعل خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں منصفانہ نہیں سمجھا جائیگا۔ اکیوّنیّس ایک بہت بڑی تعداد ہے جسے ایک ہی وقت میں فنا کر دینا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ ہمارا مقصد اس وقت تو عام طور پر سخت گیری کرنے سے دلوں میں ہیبت اور خوف بٹھانا ہے۔ جو میرے خیال میں نہایت مؤثر طریق پر پورا ہو سکتا ہے اگر ہم ان میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی قیدیوں کو ہلاک کر دیں میرے خیال میں کافی تعداد ایسے قیدیوں کی نکل سکتی ہے جنکے چال چلن مشتبہ تھے یا جنہوں نے اپنے افسران کی علانیہ عدول حکمی کی یا جنہوں نے بغاوت پھیلائی یا بغاوت کے سرغنے تھے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے تمام مجرمین کو پھانسی کی سزا ملنی چاہئے اور اگر ایسے اشخاص کی تعداد مقررہ تناسب سے کم ہو تو میری رائے میں پھر باقی قیدیوں میں سے تمام پرانے سپاہیوں کو منتخب کر کے شامل کر لینا چاہئے ان تمام منتخب کردہ قیدیوں کو یا تو گولی سے مار دینا چاہئیے یا توپ سے باندھ کر اڑا دینا چاہئے جیسا کہ اس وقت مناسب سمجھا جائیگا۔ باقی ماندہ مجرمین کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے تین سال سے لیکر سات سال تک کی قید کی سزا دینی چاہئیے'' لہ

لارنس LAWRANCE کی چٹھی دنیا کی ایک ایسی آواز ہے جسے ہم ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ چکے ہیں بلکہ اسکی بین السطور پاکبازی پر اب کوئی یقین نہیں کر سکتا۔ اور اگرچہ چٹھی کے بعض فقروں سے انجیل مقدس کی تعلیم کا ایک ہلکا سا پرتو بھی جھلکتا ہے۔ مگر غدر کے بعد کے ہولناک مظالم سے اسکی منافقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ لفٹنٹ رابرٹس جو بعد میں قندھار کے لارڈ رابرٹس کی حیثیت میں مشہور ہوا۔ پشاور کی ROBERTS

لہ (KAYE, BOOK XI CHAPTIR III)

متذکرہ بالا پھانسیوں کے بعد جن پر لارنس کی بحث ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اپنی والدہ کو ایک چٹھی میں اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"ہم پشاور سے جہلم پیادہ پا سفر کرتے ہوئے پہونچے اور راستے میں کچھ "کام" بھی کرتے چلے آئے۔ یعنی باغیوں سے اسلحہ چھینا اور ان کو پھانسیوں پر لٹکایا۔ چنانچہ توپ سے باندھکر اڑا دینے کا جو طریقہ ہم نے اکثر استعمال کیا ہے۔ اس کا لوگوں پر ایک خاص اثر ہوا۔ یعنی ہماری ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ یہ طریقۂ سزا اگرچہ نہایت ہی دلخراش منظر ہے لیکن بحالاتِ موجودہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ فوجی عدالت کے حکم سے فی الفور سرِ قلم کر دیئے جاتے ہیں اور یہی پالیسی اس وقت ہر چھاؤنی میں عمل میں لائی جاتی ہے۔" [1]

لارڈ رابرٹس کے نزدیک اس "کام" کا مقصد یہ ہے کہ:۔

"ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کرینگے۔" [2]

اور ایک اور چٹھی کے دوران میں جو اس نے دسمبر میں اپنی بہن کو لکھی۔ لارڈ رابرٹس نہایت وثوق سے اس امید کا اظہار کرتا ہے کہ خدا کی عنایت اور اپنے زبردست حلیف کی امداد سے ہم مستقبل قریب میں ایک خوشگوار نتیجے تک پہنچ جائیں گے یعنی:۔

"اگر خدا نے چاہا تو وسط فروری تک ہم باغیوں کو نیست و نابود کر دینگے۔" [3]

عہد وکٹوریہ کے مذہبی پیشواؤں کی منافقت اور ریاکاری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ایک طرف تو نہایت شد و مد کے ساتھ توراۃ کی مفروضہ خونخوار تعلیم کے خلاف نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن ہندوستان کے غدر کے ہولناک مظالم کا بہت بڑا ذخیرہ آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے بھی بالکل سکوت اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر پروپیگنڈا کرکے رائے عامہ کو مغالطہ دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ طرزِ زندگی کے فریب وہ طلسم سے تنگ آکر انسان حسرت سے اپنے آبا و اجداد کے زمانہ کی واپسی کی آرزو کرتا ہے۔

---

[1] LETTERS WRITTEN DURING INDIAN MUTINY JUNE 1857.
[2] IBID, LETTERS WRITTEN 31st DECEMBER 1857.
[3] IBID, LETTERS WRITTEN 28th DECEMBER 1857.

Marfat.com

یقیناً موجودہ مہذب دنیا کے سیاہ کارنامے دیکھکر اُس زمانے کا انسان قطعاً کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہ کرتا۔ بالخصوص آج جبکہ ترقی یافتہ اور ہمدرد سوسائٹی میں سلطنت کی بنیاد باہمی محبت اور اخوت قرار دی گئی ہے تو موجودہ سفاکی اور بربریت جسکی قرار واقعی نمائش ہندوستان کے غدر کے دور کے لئے میں روا رکھی گئی ہے قیاس سے باہر ہے۔ گذشتہ جنگ یورپ اگر ان کے زمانہ میں ہوتا تو موجودہ منافقت اور دھوکہ دہی کی جگہ ان کے معتقدات کے اور زیادہ قوی کرنے کا موجب ہوتا۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسیحی انصاف کا اقتضا ہے کہ چالیس انسانوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا جائے۔ چنانچہ ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کے دن چالیس بدقسمت انسانوں کو ممکن سے ممکن اذیت پہنچا کر نہایت ہولناک طریق سے منظر عام میں توپوں سے باندھکر اُڑا دیا گیا:۔

یہاں پر یہ امر خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ سر ہربرٹ ایڈورڈز (SIR HERBERT EDWARDES) نے اپنی سرکاری رپورٹ میں اور نہ ہی سر سڈنی کاٹن SIR SYDNEY COTTEN نے اپنی مطبوعہ سرگذشت میں اس دردناک سزا کی بھیانک نمائش کا کوئی ذکر کیا ہے۔ جب ان کی یادداشتوں میں [illegible] مذکورہ واقعہ کے بیان سے جھجک محسوس کی ہے اور انہوں کو ترجیح دی ہے تو میں بھی اس کی مزید تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن جہانتک اس واقعہ کی تفصیل اور جزئیات سے تعلق ہے وہ نہایت ہی دردانگیز اور ہولناک ہیں اور اس وقت بھی اُس زمانہ کی دستاویزات کی شکل میں میرے پاس محفوظ ہیں[۵]

بہت ہی کم تعداد ایسے انسانوں کی تھی جنہوں نے یا تو ان دل دوز سزاؤں کو دیتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یا دوسروں سے ان کے متعلق سنا تھا۔ لیکن سب کے سب مسٹر ایڈورڈز اور سر ہنری کاٹن کی طرح خاموش رہے۔ جیسا کہ مسٹر کے KAYE نے اوپر بیان کیا ہے۔ غدر کو شروع ہوئے ابھی چند ہفتے ہی گذرے ہونگے کہ ہمارے ہاں کے لوگ اس حد تک اس منظرے کی ہولناک تفصیلات سے

۵ KAYE, BOOK VI CHAPTER IX

بہرہ اندوز ہو گئے کہ بعد میں اِن واقعات کے بیان کرنے میں نہ صرف اُن کی فطری نازک مزاجی ہی کافور ہو گئی بلکہ وہ ایک قسم کی لذّت اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ مثال کیلئے ہم ایک پادری صاحب کی بیوہ کی ایک تحریر کی تصویر پیش کرتے ہیں :-

"لڑائی کے اختتام پہ بہت سے قیدیوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اور یہ معلوم ہونے پر کہ اس قسم کی موت کی وہ کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے تو ان میں سے چار آدمیوں کو فوجی عدالت کے حکم سے توپوں سے باندھکر اُڑا دیا گیا۔ چنانچہ ایک روز ایک توپ کے بہت بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے۔ جس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ بیان دھیمی مگر خشتناک چیخ بھی سُنائی دی۔ دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا۔ یعنی ایک توپ میں اتفاق سے بارُود زیادہ بھرا ہوا تھا جس کے چلائے جانے سے بدقسمت ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر فضائے آسمانی میں اُڑا اور تماشائیوں پر خُون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اسکا سر ایک راہ رَو پر اِس زور سے گرا کہ اس کو بھی چوٹ آئی" [1]

(۸)

توپوں سے باندھکر اُڑا دینے کی سزا ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلیہ سلطنت سے وراثت میں حاصل کی تھی۔ فرانسیسی جرنیل لالی LALLY اور مرہٹے بھی اکثر یہی سزا دیا کرتے تھے۔ سزا دہی کا یہ کوئی ایسا بُرا طریق نہیں تھا۔ جسے انہوں نے یہاں پر استعمال کرنا شروع کیا بلکہ عہدِ گزشتہ میں سزا دینے کا کوئی دردناک طریقہ اگر بدن کے رونگٹے کھڑا کر دیتا تھا۔ تو وہ میخیں گرم کر کے مجرموں کو داغنا ہے دماغ پر اِس سزا کا ایسا مہلک اثر پڑتا ہے کہ بعض دفعہ تو انسان نواب محسن الدّین حسن کے بیانات کو جن میں اس دردناک سزا کا ذکر ہے نہ تو پڑھنے کیلئے تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی سُننے کیلئے۔ لیکن گورنمنٹ بنگال کے سرکاری کاغذات میں اب بھی بعض ایسی دستاویزیں محفوظ ہیں۔ جنکے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز نہایت کثرت سے اس ہولناک سزا کا استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ

[1] MIS COOPLAND, A LADY'S ASCAPE FROM GWALIAR, P.235.

Marfat.com

ایک انگریز افسر کی چٹھی ابھی تک محفوظ ہے جس میں اٹھارہویں صدی کے آخری دَور کے حالات پر بحث کرتے ہوئے اِس دردناک طریقِ سزا کی ذیل کے الفاظ میں مذمّت کی ہے:۔

"آخر کبتک ہم بنی نوع انسان کو اِس دلخراش طریق پر گرم سلاخوں پر سکڑتے اور بھُنتے دیکھنے کی اذیت برداشت کرتے رہیں گے"

بمقابلہ اس کے توپوں سے باندھکر ہلاک کر دینے کا طریق اِس حد تک اذیّت رساں نہیں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ اسوقت دماغ میں ایک فوری رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اور بس۔ ہم نے اس سزا کے استعمال کو پسند کرکے عملاً اپنے آپکو بربریت اور سنگدلی کی اُسی سطح پر کھڑا کردیا ہے جہانکہ اِس سے پیشتر ہم شاہانِ مغلیہ کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اِن دردناک مناظر کی تصاویر تیار کرکے انگلستان اور دیگر ممالک میں تقسیم کی گئیں۔ جسمیں انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستانیوں کو توپوں کے ساتھ بندھے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اِن تصاویر نے انگلستان میں وُہی اثر کیا جو اِس سے پیشتر باسکو کی پبلک کے دلوں پر ہوا تھا۔ جب رُوسیوں کے ہاتھوں پولینڈ والوں کے قتل عام اور پھانسیوں کے دردناک مناظر کی تصاویر اُنکے سامنے لائی گئی تھیں۔ یقیناً مہذّب دنیا ایسی دردناک سزاؤں کو وحشیانہ جذبات کی نمائش سے تعبیر کریگی۔ لیکن دوسری طرف نتیجہ یہ نکلا کہ سرحد کے وحشی اور غیر مہذب قبائل جو عام طور پر خونریزی اور ہلاکت کے مناظر کو دلبستگی اور تفریح کا سامان سمجھتے چلے آئے ہیں۔ ہماری اِن سیاہ کاریوں سے حددرجہ بددِل ہوئے۔ چنانچہ اِس ہیئت کی تبدیلی کا نقشہ ایک مؤرخ نے ذیل کے الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"جب انہوں (سرحدی اقوام) نے ہماری جیسی مہذب اور شائستہ قوم کو متانت اور سنجیدگی کے ساتھ وحشت اور بربریت کے اُن تمام مکروہ افعال کے مرتکب ہوتے ہوئے دیکھا جو ایک فوجی پریڈ کی باضابطگی کے ساتھ عمل میں لائے جاتے تھے تو ہمارے متعلق برتری اور بڑائی کے تمام عقیدتمندانہ خیالات اُن کے دلوں سے جاتے رہے"[1]

اِس سے بہت عرصہ پہلے نکلسن NICHOLSON جسے ہم اپنے بچپن کی خیالی دنیا میں ایک نڈر دیوتا کی حیثیت سے یاد کیا کرتے تھے۔ نیز جسے ناول نویس کے مفروضہ انگریزی کیرکٹر

[1] KAYE, BOOK VI CHAPTER IV,

Marfat.com

کی "متانت وشجاعت" کی شہرت بھی مل چکی تھی۔ وہی نکلسن مسٹر ایڈورڈز (EDWARDES) کو خط لکھتے ہوئے یوں رقمطراز ہوتا ہے کہ:-

"دہلی میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کے خلاف ہمیں ایک ایسا قانون پاس کرنا چاہئے جس کی رُو سے ہم اُنکو زندہ ہی جلاسکیں۔ یا زندہ انکی کھال اُتار سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دیکر ان کو فنا کے گھاٹ اُتار سکیں۔ ایسے ظالموں کو محض پھانسی کی سزا سے ہلاک کر دینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کئے دیتا ہے۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ کاش میں دنیا کے کسی ایسے گمنام گوشے میں چلا جاؤں جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں حسب ضرورت سنگین انتقام لیکر دل کی بھڑاس نکال سکوں۔" ف۱

اس دستاویز میں آگے چلکر وہ انتقام کی آگ کو فرو کرنے کیلئے مفروضہ مذہبی تعلیم تک کو دلیل کے طور پر پیش کرنے سے نہیں چوکتا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:-

"بچوں اور عورتوں کے قاتلوں کو اذیت دینے کے سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی ایذا دہی کے طریقے مناسب اور صحیح نہ بھی ہوں۔ پھر بھی ہمیں ان طریقوں کو بالضرور استعمال کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہاں پر اس قسم کے انتقام لینے کے طریقے رائج ہیں۔ دوسری طرف انجیلِ مقدس میں بھی یہ حکم ہے کہ مجرموں کے اعمال کی مناسبت سے سزا دی جائیگی۔ بنابریں کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نرم سزا پر اکتفا کیا جائے۔ اگر ایسے قاتلوں کے حق میں پھانسی کی سزا کافی سمجھی جائیگی تو میرے خیال میں معمولی باغی تو اُن سے بدرجہا معمولی سزا کے مستحق ہیں۔ اگر میرے بس میں ہو باوجود اس امر کے کہ مجھے پہلے ہی یہ بتا دیا جاتا کہ میری موت کل واقع ہونیوالی ہے۔ پھر بھی میں ان بدبختوں کو ایسی شدید ایذائیں دیکر ہلاک کرتا جہانتک کہ میرا دماغ یاوری کرتا۔"

لیکن نکلسن کی چٹھیاں ایسی دماغی کوفت کی حالت میں قلمبند کی گئی ہیں جبکہ مسلسل وہیم دردناک حوادث کی اطلاعات نے متانت سے غور کرنے کی طاقت کو بیکار کر دیا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ مکروہ اور مذموم خیالات ایک ایسے شخص کی طرف سے ظاہر کیے گئے ہیں

ف۱ KAYE, BOOK VI ChT. ف۲ KAYE, CHAPTER I, BOOK V.

Marfat.com

جس کے متعلق ہمیں بتایا گیا ہے کہ اُس وقت تمام عیسائی قوم میں اُس سے بہتر عالی دماغ اور نیک نفس انسان نظر نہیں آتا تھا۔ یہ الفاظ اُن ہدایات کے سلسلے میں ظاہر کئے گئے تھے جو مسٹر ہنری ٹکر (HENRY TUCKER) کمشنر بنارس کے نام جاری کی گئی تھیں :-

"تمہاری طبیعت چونکہ فطرتاً نرم واقع ہوئی ہے اس لئے بحالاتِ موجودہ میں سخت متفکر ہوں لیکن آپکو واضح رہنا چاہئے کہ اس قسم کے تمام رقیق جذبات و احساسات کو مطلقاً خیرباد کہنا ہوگا۔ آخر مجسٹریٹوں کو بے فائدہ طور پر تلوار کو بے نیام کرنے کیلئے حکم نہیں دیا گیا۔ نیز واضح رہے کہ خدائی قانون بھی ایک انسانی جان کے ضائع کرنے کی پاداش میں قاتل کے لئے کسی قسم کی رعایت نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں مشرقی ممالک کا تو یہ خاصہ ہے کہ یہاں پر محکوم کے دِل میں حاکم کا رُعب و دبدبہ ہمیشہ زندہ رکھا جائے۔ کیونکہ ایسے ہی حالات کے زیرِ اثر محکوم کے زاویۂ نگاہ میں ایک گونہ ابدیت داخل ہوتی ہے۔ اور وہ حکومت کی موجودگی کو اپنی بقاء کے لئے پسندیدہ خیال کرتا ہے" [1]

امریکن مؤرخ ایمرسن (EMERSON) ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کے مذہبی جذبات پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"انگلستان کی حکومت نے عام طور پر توراۃ کی مفروضہ دُرشت تعلیم کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ یہانتک کہ انجیل کا تو پہلا صفحہ تک اُلٹ کر نہیں دیکھتی" [2]

کوپر (COOPER) ڈپٹی کمشنر امرتسر غدر کے شروع ایام میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے جس پر کہ اُس نے خود بھی سختی سے عمل کیا تھا۔ فخریہ طور پر اس طرح بیان کرتا ہے کہ پنجاب کے حکام نے تو اس اصول پر عمل کیا ہے کہ ایسے حالات میں ابتداہی میں اس قسم کی وحشیانہ سختی سے جواب دیا جائے کہ انتقام کا تصور بھی فریق مخالف کو لرزہ براندام کردے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

"مسٹر مونٹ گمری (MONT GOMERY) کے حکم سے پنجاب میں بھی جہانکہ عام طور پر لوگ ابھی تک وفادار ہیں۔ ایک سکھ پلٹن کے صوبیدار، سوار پولیس کے رسالدار اور ایک داروغہ جیل کو "فرض کی کوتاہی" کے الزام میں پھانسی پر لٹکانا ضروری سمجھا گیا۔ اس

[1] KAYE, BOOK VI, CHAPTER I. [2] ENGLISH TRAITS, XIII RELIGION

Marfat.com

سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو بخوبی ذہن نشین ہو جائے کہ پنجاب کے حکام بہر حال ابتدا ہی میں "بلا توقف متشددانہ کارروائی" کرنے کی پالیسی سے لوگوں کے دلوں میں اپنا رُعب قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ صرف یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے اِس "نیم وحشی ملک" میں وقار قائم رکھا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ایک سخت پالیسی کا مقصد یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ حکومت رعایا سے غیر مشروط اور غیر مبہم وفاداری" کی متوقع ہے۔ نہ کہ رعایا کی اخلاقی بُردباری کے بھروسہ پر جو کہ ایک حد تک گورنمنٹ کے استقلال کی شکست کے مترادف ہے۔" [۵۱]

جن اذیتوں کو دینے کی آرزو کا اظہار نکلسن (NICHOLSON) نے نہایت بے چینی سے کیا تھا ان کے پورے ہونے میں کچھ زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مسٹر موبری تھامسن[۵۲] (MOBREY THOMPSON) نے بعض قیدیوں کی دردناک سرگذشت جن کو اس نے خود قید کیا تھا۔ سر ہنری کاٹن (HENRY COTTON) کو ذیل کے الفاظ میں سنائی:۔

"شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمے میں آیا اور سلام کرکے پوچھنے لگا۔ آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ ہم نے قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں قیدیوں کے ساتھ زیادتی نہ کی گئی ہو۔ میں فوراً لپک کر اُن کے خیمے میں گیا۔ جہاں پر میں نے اُن بدبخت مسلمانوں کو عالمِ نزع میں بے حال دیکھا یعنی مُشکیں باندھکر برہنہ اُن کو زمین پر لٹایا ہُوا تھا اور سر سے لیکر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا تھا۔ اس روح فرسا نظارے کو دیکھکر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ہی اُن کے حق میں مناسب سمجھا۔ سر ہنری کاٹن نے جب حیران ہو کر یہ سوال کیا کہ اِس کے بعد کیا کیا گیا تو جواب یہ ملا کہ کچھ بھی نہیں۔" [۵۳]

یہاں پر قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کچھ کیا جاتا؟ کسی واقعہ کو زیادہ عرصہ

---

[۵۱] THE CRISIS IN THE PUNJAB, P151, 152.

[۵۲] مسٹر موبرے تھامسن اُن چند نفوس میں سے تھے جو حادثہ کانپور سے صحیح وسلامت بچکر نکل آئے تھے۔

[۵۳] COTTON, INDIAN AND HOME MEMORIES, P. 145,

Marfat.com

تک حافظہ میں محفوظ رکھنے کی صلاحیت مشرقی دماغ کو فطرۃً کسی قدر زیادہ نصیب ہوئی ہے حالانکہ انگریز قوم کا حافظہ اس کے مقابلہ میں اتنا تیز نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہم دوسری قوموں کی قوت حافظہ پہ حیرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ وہ کس طرح ساٹھ سال پہلے کی پھانسیوں یا گولیوں کے ذریعہ ہلاکت کے واقعات کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے بھی زیادہ حیرت واستعجاب سکھ قوم کی قوتِ یادداشت پر ہوتی ہے جن کے آباواجداد کو شاہانِ مغلیہ کے ہاتھوں دردناک مظالم سے جان دیتے ہوئے اگرچہ ڈیڑھ سو سال کا زمانہ گذر چکا ہے لیکن اُن کی تلخ یاد ابھی تک اُن کے سینوں میں تازہ ہے جس کا پورا انتقام اُنہوں نے غدر میں مسلمانوں سے لیا ہے۔ یعنی وہ نہایت وحشیانہ مسرت کے ساتھ غدر کے ہنگامے میں دہلی کے برخلاف اپنا بدلہ لینے کے لئے ہمارے مددگار کے طور پر شریک ہوئے۔ چنانچہ ایک عینی شاہد بیان کرتا ہے کہ کس طرح سکھوں اور انگریزوں نے ایک مسلمان قیدی کے چہرہ کو بار بار سنگینوں سے زخمی کرکے زندہ ہلکی آگ میں جلایا۔

"بدنصیب قیدی کے جلتے ہوئے گوشت سے مکروہ بدبو نکل کر آس پاس کی فضا کو مسموم بنا رہی تھی۔ اُنیسویں صدی میں جبکہ تہذیب اور شائستگی پر ناز کیا جاتا تھا ایک ایسا دردناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک انسان نہایت وحشیانہ طریق سے زندہ آگ میں جلایا جارہا ہے اور سکھ اور یوروپین نہایت اطمینان اور متانت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر اردگرد کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک تفریح کا سامان تھا۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ خواہ بدقسمت قیدی کے مفروضہ جرائم کتنے بھی سنگین کیوں نہ ہوں۔ پھر بھی موجودہ سفاکانہ اور دردناک سزا کے بھگتنے کے بعد یقیناً اس نے اپنے گناہوں کی قرار واقعی پاداش اٹھالی ہے۔"[2]

ٹائمز آف انڈیا اخبار کے فوجی نامہ نگار مسٹر رسل (RUSSEL) نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی

---

[1] ہر ایک سپاہی کو سزا دیتے وقت بغیر کسی قسم کی تحقیقات کرنے کے فرض کرلیا جاتا تھا کہ اس نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے۔"

[2] LEE MAJENDIE, "UP AMONG THE PAN-DIES", P.167.

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"چند دنوں کے بعد میں نے اُس شخص کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اُسی میدان میں پڑا ہُوا پایا" [۵۱]

دنیا کے تمام دیگر ممالک کے مقابلہ میں میرے ملک کا دامن اس قسم کے صریح مظالم سے یکسر پاک ہے۔ انسانی تاریخ اگرچہ افسردگی سے بھری پڑی ہے لیکن بہرکیف ہم اس امر کے اعلان کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگرچہ ہم سے بھی کبھی کبھی زیادتیاں ہوئیں پھر بھی ہم شاذ ہی خونخوار درندے ثابت ہوئے۔ یہ حادثہ ہماری سرگزشت میں بالکل مستثنےٰ حیثیت رکھتا ہے لیکن غدر بھی تو اپنی نوعیت کی ایک ممتاز تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی حقوق کی محافظت میں سب سے پہلی گرجدار آواز جس نے دنیا کو ان وحشیانہ مظالم سے روشناس کر کے روکنے کی کوشش کی وہ ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر ڈی لین (DELEAN) کی تھی جو آئرلینڈ کے رہنے والے ہیں۔ چنانچہ اپنے ایک آرٹیکل میں اس نے لکھا کہ:۔

"زندہ مسلمانوں کو سُور کی کھال میں سینا۔ یا پھانسی سے پہلے اُن کے جسم پر سُور کی چربی مَلنا۔ یا زندہ آگ میں جلانا۔ یا ہندوستانیوں کو مجبور کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کریں۔ ایسی مکروہ اور منتقمانہ حرکات کی دنیا کی کوئی تہذیب بھی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ہماری گردنیں شرم اور ندامت سے جھک جاتی ہیں اور یقیناً ایسی حرکات عیسائیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہیں۔ جن کا کفارہ لازمی طور پر ہمیں بھی ایک دن ادا کرنا پڑیگا۔ اس قسم کی دردناک جسمانی اور دماغی سزاؤں کے دینے کا ہمیں مطلقاً کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہم یورپ میں ایسی سزائیں دینے کی جرأت کر سکتے ہیں۔" [۵۲]

خیال پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس طرح ہماری قوم نے غدر کے متعلق تمام مفروضہ بیانات کو بغیر تحقیقات اور تجسس کے صحیح تسلیم کر لیا۔ یہ تمام واقعات دنیا کے دوسرے گوشوں میں ہم سے بہتر طریق پر پہنچے جس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم نے پولینڈ اور آرمینیا کے باشندوں کو مصائب اور تباہی سے بچانے کیلئے نہایت دیانتداری سے

[۵۱] MY DIARY IN INDIA IN THE YEAR 1858-1859, P.301,302.

[۵۲] RUSSEL, DIARY, ii, P.43 (MAY 1858)

آواز بلند کی تو یورپ نے کسی قدر سرد مہری سے اس آواز کو سُنا اور قرار واقعی متاثر نہ ہُوا۔ چنانچہ ٹائمز کا نامہ نگار اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"دنیا کی دیگر اقوام ہمارے خارجی معاملات کا بغور دلچسپی سے معائنہ کر رہی ہیں۔ اگرچہ خشکی اور سمندر کی ایک بہت بڑی مسافت اُن کے اس ارادہ میں حائل ہے۔ پھر بھی ایک فرانسیسی جرنیل نے ہمارے افسران کے بعض مفروضہ مظالم کے خلاف سر کولن COLLEN کو ایک چٹھی کے ذریعہ احتجاج کیا۔ لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری گورنمنٹ ایک باغی کے فیصلہ میں خون گرانے سے قطعاً کوئی گریز نہیں کیا کرتی"۔ [1]

(۹)

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی اور دعوئے مسیحیت کی چیخ و پکار کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اور اپنی عزت و وقار برقرار رکھنے کیلئے ہماری قوم نے ایسا عملی قدم بھی اٹھایا ہے یا نہیں؟ تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ہاں اس قسم کی ایک کوشش تو ضرور کی گئی جو اگرچہ ناکام رہی لیکن پھر بھی ایسی شرمناک حرکات سے بیزاری کا اعلان ہماری قومی عزت کے تحفظ کے سلسلے میں آج بھی روزِ روشن کی طرح درخشاں ہے۔ ۳۱۔ جولائی ۵۷ء کو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے ہندوستان میں مفصل ہدایات جاری کی گئیں کہ غیر معین طریق سے دیہات کو آگ لگانا فی الفور بند کر دیا جائے۔ اور مجسٹریٹوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر مسلح آدمیوں کو فوج سے بھاگے ہوئے سپاہی سمجھکر ہرگز کوئی سزا نہ دیں۔ بہت سی ایسی سول عدالتوں سے موت اور عمر قید کے اختیارات واپس لے لئے گئے کیونکہ انکا استعمال نہایت بیدردی سے کیا گیا تھا۔ ۲۸۔ اگست کو مسٹر جان گرانٹ (JOHN GRANT) کو وسط ہند کا گورنر اس لئے مقرر کیا گیا تاکہ وہ الہ آباد اور دوسرے مقامات پر بے تحاشا پھانسیوں کے سلسلے کو بند کر دیں۔ باوجود اس امر کے کہ ایک کثیر طبقے کی طرف سے وائسرائے اور مسٹر گرانٹ کی شدید مخالفت کی گئی۔ یہانتک کہ تعریض کے طور پر "پھانسیوں کے روکنے والا گرانٹ" (ANTI HANGMAN GRANT) اور "رحمدل کیننگ" (CLEMENCY CANNING) وغیرہ

[1] RUSSEL, i, P. 221, 222.

Marfat.com

نام دیکر اُن کی ہنسی بھی اُڑائی گئی۔ پھر بھی اس مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کیگئی۔ جب اگست میں انگریزی فوج ہندوستانی دیہات جلانے کی مہم سے واپس آرہی تھی تو راستے میں انہوں نے وفادار سپاہیوں کی ایک جماعت کو بلاوجہ گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنادیا چنانچہ انتقام کے اس خوفناک مظاہرے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ٹائمز آف انڈیا نے اس واقعہ کو "جنگی یا وحشی انصاف" سے تعبیر کیا۔ لیکن جنرل آوٹریم (OUTRAM) کی رائے میں یہ واقعہ "معصوم انسانوں کا سنگدلانہ قتل" تھا۔ چنانچہ ستمبر میں جنرل آوٹریم نے مسٹر گرانٹ کو ایک مراسلہ میں ذیل کے الفاظ لکھے :۔

"موجودہ وقت اس امر کا مقتضی ہے کہ کھلے طور پر یہ ظاہر کردیا جائے کہ ہم اس قتل و غارتگری کے بالکل خلاف ہیں تاکہ یہ حقیقت بالکل واضح ہوجائے کہ ہمارا منشاء ہندوستانیوں کو نیست و نابود کرنیکا نہیں۔ یا ہم سپاہیوں کے محض اس بنا پر مخالف نہیں کہ وہ سپاہی ہیں"

غدر کے اختتام کے ایک مہینہ بعد ٹائمز کی رائے میں :۔

"شاذ ہی چند انگریز ایسے ہوں جو میدانِ جنگ میں سپاہیوں کی ہلاکت کو باغیوں کی وحشیانہ حرکات کے مقابلہ میں کافی سمجھتے ہوں" [1]

لیکن اس کے چند ہی ماہ بعد اس اخبار کی رائے تبدیل ہوجاتی ہے اور وہ گورنمنٹ کی پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ قتل و غارت کے سیلاب کو روکنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار نہیں کی گئیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :۔

"سپاہیوں کو بے دریغ قتل کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدراس اور بمبئی کی فوجوں میں بغاوت پیدا ہوجاتی" [2]

بہت ممکن ہے کہ ان مقامات پر بھی بغاوت ہوجاتی لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی کلام نہیں کہ سپاہی اس حد تک خوفزدہ ہوگئے تھے۔ کہ اول تو انہوں نے فوجوں سے بھاگنا شروع کردیا۔ پھر باغیوں میں شامل ہوکر ہمارے مقابلے میں انتہائی مشکلات پیدا کرنے میں پورا زور صرف کردیا۔ جو ہمارے لئے بیحد تکلیف دہ ثابت ہوا۔ بایں ہمہ ان پر کسی قسم کے رحم کا اظہار نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ایک ماتحت افسر کی چٹھی جو اس نے

[1] 21st OCTOBER 1857 (MONTGOMERY MARTIN)
[2] 6th FEBRUARY 1858 (MONTGOMERY MARTIN)

Marfat.com

انگلستان میں اپنی بہن کو لکھی۔ متذکرہ صدر سلوک پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"تمہیں ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں سپاہیوں یا اُن بدمعاشوں پر جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کرنے میں حصہ لیا کبھی کسی قسم کے رحم کا اظہار کرتا ہوں۔ برخلاف اس کے غالباً چند آدمی ایسے نکلیں گے جو میری طرح بے رحم اور سنگدل ہوں۔ قیدی کے سامنے آتے ہی پھانسی دینے کیلئے سب سے پہلے میری آواز بلند ہوتی ہے!" ۱ؔ

کوپر (COOPER) ہمیں بتاتا ہے کہ:-

"قیدیوں کی دائمی نجات کا راستہ نہایت آسان تھا یعنی باغیوں کو دیکھکر فی الفور نکلسن کا نعرہ "A'LA LANTAIRE" یعنی "پھانسی پر لٹکاؤ" بلند کیا جاتا تھا!" ۲-۳ؔ

ایک پادری کی بیوہ جس کا خاوند غدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ نہایت فاتحانہ انداز میں لکھتی ہے کہ:-

"جب بہت سے باغی گرفتار کر کے لائے گئے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ گرجے کے فرش کو صاف کریں۔ مگر باوجودیکہ یہ لوگ اس قسم کا کام اپنے مذہبی معتقدات کے خلاف سمجھتے تھے۔ پھر بھی سنگین کی نوک سے انہیں اس حقیر کام کے کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اُن میں سے بعض آدمیوں نے نہایت پھرتی سے اس کام کو سرانجام دیا محض اس خیال سے کہ شاید پھانسی کی سزا سے بچ جائیں گے لیکن بے سود۔ کیونکہ وہ سب کے سب پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔" ۴ؔ

مجینڈی پھر لکھتا ہے کہ:-

"وہ رات ہم نے جامع مسجد پر پہرہ دیتے ہوئے بسر کی۔ اور ہمارا زیادہ تر وقت ان قیدیوں کو گولی سے اڑا دینے یا پھانسی پر لٹکانے میں گزرتا تھا۔ ان کو ہم نے صبح کے وقت گرفتار کیا تھا۔ انہیں سے بہت سے بیچارے تو اسی جگہ ختم ہو گئے۔ لیکن آخر وقت تک اُن کے چہروں

۱ؔ ROBERTS, LETTER DATED 20TH FEBRUARY 1858. ۲ؔ THE CRISIS IN THE PUNJAB, P 149.

۳ؔ فرانس کی مشہور بغاوت کے زمانہ میں جب فرانسیسی جمہوریت کے مخالفین گرفتار کئے جاتے تھے تو عام طور پر چاروں طرف سے شور و غوغا بلند کیا جاتا تھا کہ انکو لالٹین یا لیمپ کے پاس لے چلو۔ جسکے نیچے دیوار پر پھانسی کی رسیاں لٹکتی تھیں۔ ہندوستانی باغیوں کو دیکھکر انگریز افسران اور سپاہی بھی یہی نعرہ بلند کیا کرتے تھے یعنی بغیر کسی تحقیقات کے فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔" مترجم

۴ؔ A LADY'S ESCAPE FROM GAHALIAR, P 243.

Marfat.com

سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے جو اس سے کسی بڑے مقصد کے شایان شان علامات تھیں"۔ [1]

دہلی پر قبضہ کرنے سے پیشتر ایک افسر نے لکھا کہ :-

"باغی ہتھیار رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر موت کی سزا ملنی یقینی ہے اور نہ ہی اس کے سوا انہیں اور کوئی امید رکھنی چاہیئے تھی"۔ [2]

میجر رینالڈ (RENAUD) کو جب وہ ہراول فوج کا ایک دستہ لیکر کانپور کے محصورین کی امداد کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ ذیل کی ہدایات جنرل نیل (NEILL) کی طرف سے موصول ہوئیں :-

"بعض دیہات کو ان کی مجرمانہ حرکات کی بنا پر عام تباہی کے لئے منتخب کر دیا گیا ہے۔ جہاں کی تمام مرد آبادی کو قتل کر دینا ہوگا۔ باغی رجمنٹوں کے تمام ایسے سپاہی فی الفور پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں جو اپنے چالچلن کے متعلق اطمینان بخش ثبوت بہم نہ پہونچا سکیں۔ قصبہ فتحپور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لیکر تہ تیغ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس قصبہ نے بغاوت میں حصہ لیا ہے۔ باغیوں کے تمام سرغنوں اور بالخصوص فتحپور کے تمام سرغنوں کو فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اگر وہاں کا ڈپٹی کلکٹر قابو میں آجائے تو اسے وہیں پھانسی دیدی جائے اور اس کے سر کو کاٹ کر وہاں کی سب سے بڑی عمارت پر لٹکایا جائے"۔ [3]

بیگم اودھ نے ۱۸۵۸ء میں نہایت ہی مایوسانہ وقار کے ساتھ اپنے ایک اعلان میں لکھا کہ :-

"کسی شخص نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ انگریز نے کبھی کسی مجرم کو معاف کیا ہو"۔ [4]

آخر کار اس مسلسل اور بے تحاشا قتل و غارت کو روکنے کیلئے نہ صرف لارڈ کیننگ بلکہ جان لارنس نے بھی پوری کوشش کی اور مسٹر ڈزرالی (DESRAELI) وزیر اعظم انگلستان نے تو پہلی دفعہ اس دردناک واقعہ کے متعلق جرأت کے ساتھ اظہارِ خیال کیا اور اسوقت جبکہ وحشیانہ جذبات کی نمائش خوب دل کھول کر ہو رہی تھی۔ مسٹر موصوف نے ذیل کے

---

[1] P.205. [2] TIMES, 24TH OCTOBER 1857. MONTGOMERY MARTIN.

[3] KAYE, BOOK V CHAPER ii. [4] MOTGOMERY MARTIN, RISE AND PROGRESS OF THE INDIAN MUTINY, CHAPTER XXVI

Marfat.com

الفاظ میں اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کا اعلان کیا۔ جو کسی غیر ملکی قوم کے افعال کے خلاف نکتہ چینی نہیں تھی۔ بلکہ اپنی ہی قوم کی دیوانگی اور بربریت کے خلاف آواز تھی:۔

"جنگ کی تباہ کاریاں کسی تحریک کی شرمندہ نہیں ہُوا کرتیں۔ چنانچہ جو تباہی اور بربادی اس وقت ہندوستان میں لڑائی کی وجہ سے رونما ہو رہی ہے اُس کیلئے کسی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ ہماری بری اور بحری فوجیں ایسا شدید انتقام لینگی جس کو دیکھنے کی تاب بھی کوئی انسان مشکل سے لاسکیگا۔ اندریں حالات جہاں تک میری عاجزانہ رائے کا تعلق ہے۔ مَیں بلاتوقف اس پالیسی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک تمام ذمہ دار افسران کا یہ فیصلہ نہایت ہی مکروہ ہے کہ آئندہ کیلئے انگلستان اپنے معاملات اور مناقشات کے تصفیہ کے وقت انصاف سے آنکھیں بند کر کے انتقام کو ہی اپنا اصول قرار دیدے۔ مَیں ایک منٹ کے لئے اس اصول کو پسند کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا کہ آئندہ سے ایک انگریز بھی ناناصاحب جیسا ظالم و سفاک کہلایا جائے۔ میرے نزدیک یہ نہایت ہی ناپسندیدہ پالیسی ہے کہ ظلم کے مقابلے میں ویسا ہی ظلم روا رکھا جائے۔ کچھ عرصہ سے ایسی ہولناک اطلاعات سُننے میں آئی ہیں جن سے مَیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ غالباً اس زمانہ میں میری قوم کے مذہبی معتقدات میں زبردست تبدیلی واقع ہوگئی ہے یعنی میری قوم اب جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے منحرف ہو رہی ہے اور اس کی بجائے پُرانے یونانی دیوتا مولوک (MOLOCH) (قتل و غارت کا دیوتا) کی پرستش کی رسم کو از سرِ نو زندہ کرنے والی ہے۔"[1]

لارڈ کیننگ اپنے ایک مراسلہ میں جو ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ یورپین قوم کی طبائع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"ہماری قوم کے دماغ میں ایک عالمگیر دیوانگی اور انتقام کا جذبہ موجزن ہے۔ چنانچہ اس میں وہ بزرگ بھی شامل ہیں جن سے بہتر طرزِ عمل کی توقع تھی۔ ایسی گری ہوئی ذہنیت

[1] LIFE, BY BUCKLE, IV, P. 98-99. SPEECH AT NEWPORT PAGNEL, 20-9-1857.

Marfat.com

کو دیکھکر نا ممکن ہے کہ ان کے ہمقوم ساتھیوں کی گردنیں ندامت اور شرمندگی سے نہ جھک جائیں۔ کیونکہ ہر دس آدمیوں میں سے ایک بھی تو ایسا دکھائی نہیں دیتا جو چالیس یا پچاس ہزار انسانوں کے بیدریغ قتل و پھانسی کو ضروری اور صحیح نہ سمجھتا ہو"

جس کا جواب ملکہ معظمہ نے ذیل کے الفاظ میں دیا:۔

"لارڈ کیننگ نہایت آسانی سے یقین کریں گے کہ نہ صرف ان غیر مذہبی افعال کے ارتکاب سے جنکا اشارہ لارڈ موصوف نے اپنے مراسلہ میں کیا ہے بلکہ عام طور پر جس سرد مہری کا اظہار ہندوستانی حوادث کو پس پشت ڈالکر انگلستان کی پبلک نے دیا ہے ملکہ معظمہ دلی بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور لارڈ موصوف کے ساتھ دلی رنج اور افسوس کے احساسات میں برابر کی شریک ہے"

لیکن بدقسمتی سے لارڈ کیننگ اپنے جذبات کو عملی جامہ پہنانے میں ہمیشہ کمزور ثابت ہوئے یعنی ان کے افعال ہمیشہ ان کے اعلیٰ جذبات کے مطابق نہیں ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ فوجی عدالتوں اور سپیشل کمشنروں کے تشدد اور ظلم کا ذکر کرتے ہوئے سر جارج کیمپبل (SIR GEORGE CAMPBELL) لکھتا ہے کہ:۔

"میں نے متعدد دفعہ مارشل لاء کا ذکر سنا ہے اور اکثر دفعہ طاقتور لوگوں کو اس کے نفاذ کی ضرورت کا مطالبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن میں آجتک اسکا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ سوائے اس کے کہ ایک فوجی سپاہی کو اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے جان سے ہلاک کر دے یا کسی کی جائداد پر قبضہ کر لے۔ یا ایسا ہی کوئی اور ظلم روا رکھے جو اس کے دماغ میں آئے میرے نزدیک تو مارشل لاء یا فوجی قانون کے یہی معنے ہیں۔ اگرچہ صاف طور پر الفاظ میں اس کی تشریح نہیں کی جاتی"

چنانچہ:۔ جب ۶۔ جون ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے بعض صوبوں میں مارشل لاء جاری کرنیکا اعلان کر دیا تو اس کے بعد حکومت کا یہ فرض تھا کہ آنکھیں کھولکر ان خطرناک انجنوں کے استعمال کی پوری پوری نگرانی کرتی۔ مگر افسوس کہ اس طرف کوئی دھیان نہیں کیا گیا۔ یہ ایک ایسی انتظامی نا قابلیت ہے جو کبھی بھی معاف نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ

Marfat.com

ذاتی خوبیوں اور اعلیٰ کیرکٹر کے لحاظ سے لارڈ کیننگ کی شخصیت ہر ستائش اور تعریف کی مستحق ہے۔ باایں ہمہ اس غفلت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ رحم اور انصاف کے اعلیٰ اصول تو ایک ردّی کاغذ کی حیثیت سے ایک طرف ڈال دیئے گئے اور ان کی جگہ فوجیوں نے خوب دل کھول کر نہایت ہی وحشیانہ طریق پر بے دریغ خون کی ندیاں بہائیں۔ یہانتک کہ اس تمام مکروہ طرزِ عمل میں فوجی قانون کو نمائشی استعمال بھی نہیں کیا گیا"۔ ۵۱

باغیوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے قتل و غارت کا جو بازار ہم نے گرم کیا تھا۔ اس میں نہ تو فوجی سپاہیوں کی کوئی تمیز روا رکھی گئی اور نہ ہی اودھ کے غریب باشندوں کی۔ چنانچہ سر جارج کیمپبل اس پر بحث کرتے ہوئے ایک نیا سوال پیش کرتا ہے کہ :-

"اگرچہ یہ صحیح ہے کہ باغی سپاہیوں پر ایک قسم کا جنون مسلط تھا۔ لیکن پھر بھی وہ انسان تھے اور ہمارے نمک خوار ہوتے ہوئے بھی ہمارے خلاف نہایت وحشیانہ طریق سے بغاوت پھیلائی اور لڑائی کی۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں جب بغاوت کی آگ چاروں طرف سے پھیل چکی تھی اور ہماری طاقت بھی بظاہر کمزور نظر آتی تھی تو ایسے وقت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کی تمام رعایا ہمارے ساتھ وفادار رہتی۔ درآنحالیکہ وہ ہماری ہم قوم بھی نہیں تھی۔ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم ان تمام اشخاص یا جماعتوں کو اخلاقی طور پر مجرم سمجھیں جنہوں نے یہ سمجھکر کہ اب ہمارا چراغ حکومت ٹمٹما رہا ہے۔ اپنے تحفظ کیلئے علیحدہ انتظام کرنا شروع کردیا۔ حیرت تو یہ ہے کہ ایسے نازک حالات سے بہت کم لوگ کیوں متاثر ہوئے۔ یہ صحیح ہے کہ غدر کے اعلان کے بعد سپاہیوں نے ہر اس انگریز کو جو ان کے ہتھے چڑھا۔ بے دریغ قتل کردیا یعنی مشکل سے کوئی ایسا خاص واقعہ نظر آئے جہاں کوئی خوش قسمت انگریز باغی سپاہیوں کے ہاتھ سے بچ نکلا ہو۔ اس کے مقابلہ میں سول رعایا نے عام طور پر ہمارے آدمیوں کو پناہ دی اور اپنے آپکو جوکھوں میں ڈالکر انگریزوں کی جان بچانے میں امداد کی۔ شاذ ہی کوئی ایک آدھ ایسا واقعہ ملے۔ جہاں سول رعایا کے ہاتھوں کوئی انگریز قتل کیا گیا ہو"۔ ۵۲

۵۱ MEMOIRES OF MY INDIAN CAREER, I, P. 232.

۵۲ MEMOIRES OF MY INDIAN CAREER, I, P. 233.

Marfat.com

سرجان کیمپبل کے مقابلہ میں ایک معمولی دماغ کے انگریز افسر کو بھی یہی خیال سوجھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

"میرے خیال میں اس لڑائی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلہ میں معصوم اور بیگناہ انسانوں کو زیادہ اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ چنانچہ بُزدل باغیوں کے ہاتھ بیگناہ عورتوں اور بچوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے اور اودھ کے غریب دیہاتیوں کے درمیان انتقام لیتے وقت کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ اگرچہ مؤخر الذکر کے خلاف بھی کسی قدر ناانصافی یا لُوٹ مار کا شبہ کیا جاتا تھا۔ پھر بھی یہ ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ وہ بغاوت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ اُن کے خلاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بغاوت سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے آزاد کرنیکی کوشش کی۔ اب رہا یہ امر کہ ان کا یہ طرزِ عمل درست تھا یا غلط۔ تو یہ ایک دوسرا سوال ہے انہوں نے تو اپنے تئیں حق بجانب سمجھکر اپنے وطن کو آزاد کرنے کے لئے کوشش کی۔ اسلئے ہم اس جذبے کو تو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ ہمارے حق میں یہ زیادہ مفید اور تسلی بخش ہوتا۔ اگر ہم سپاہیوں کو چھوڑ کر اودھ کے باشندوں کی جان بخشی کر دیتے اور ایسی دردناک سزائیں نہ دیتے۔" [1]

ذیل کے مضمون میں مسٹر رسل RUSSEL اس سوال کی مزید وضاحت اسطرح کرتا ہے کہ:- "یا تو یہ صرف فوجی بغاوت تھی اور یا سپاہیوں کے بغاوت کرنے کے بعد عام لوگوں نے کم و بیش اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اگر ہم اس کو فوجی بغاوت تسلیم کرتے ہیں تو پھر یہ صریح ناانصافی اور زیادتی تھی کہ رسول رعایا کو محض اس جرم پر کہ انہوں نے سپاہیوں کی امداد کیوں کی۔ جرمانے اور پھانسی کی شدید سزائیں دی گئیں۔ حالانکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کی شمولیت کو کبھی بھی ارادۃً نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ جبریہ امداد شمار کیجائیگی دوسری طرف اس جُرم پر رسول رعایا کو ہولناک سزائیں دینا کہ انہوں نے نہتے ہونے کے باوجود مسلح باغی سپاہیوں کا مقابلہ کیوں نہ کیا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے یہ ایک فاش غلطی ہے۔ محض ہمدردی کا اظہار کسی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں بن جاتا۔ چنانچہ اسطرح بے دریغ

[1] MAJENDIE, P. 195.

Marfat.com

سزائیں دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرت و بغض کے جذبات پیدا ہو جائیں جو آخر کار ترقی کر کے نسلی منافرت کی شکل اختیار کر لیں گے۔ باغیوں کو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے فنا کے گھاٹ اتارنا کبھی بھی زیادتی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ دشمن کو ہمیشہ کھلی لڑائی ہی میں ختم کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہمیں اُن سنگدل دغا بازوں کو بیدریغ قتل کرنا چاہئے جنہوں نے اپنے افسروں کو قتل کر کے ان کے بچوں اور عورتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا تھا لیکن یہ تو انسانیت اور انصاف کے خلاف ہے کہ تمام اضلاع کو ہی تاخت و تاراج کیا جائے محض اس جرم پر کہ باغیوں نے ان علاقوں میں بڑا کیا تھا۔ غدر کے مصائب اور تباہ کاریوں نے فریقین کے دلوں میں بغض و عداوت کے جذبات اس حد تک پیدا کر دیئے ہیں کہ صرف حکومت کے نام کی تبدیلی ہی اس تلخ یاد کو مٹانے میں کامیاب ثابت نہیں ہو سکیگی۔ اگرچہ بظاہر اس تبدیلی کی خواہش کو کتنا ہی مفید کیوں نہ خیال کیا جائے۔ لیکن اتنی خونریزی کے بعد اور دلوں میں اس قسم کی گہری عداوت کے [illegible] ہو جانیکے بعد ایسی حرکت فی الفور مقبول اور پسندیدہ نہیں ہو سکیگی۔ ان ہولناک واقعات کی یاد کو محو کرنے کیلئے غالباً کئی سو سال درکار ہونگے لیکن باہمی اعتماد کی کیفیت تو میرے خیال میں کبھی پیدا نہیں ہوگی۔" ؎

(۱۰)

فریڈرک کوپر (FREDERICK COOPER) ڈپٹی کمشنر امرتسر نے اس سلسلے میں اپنی ایک خاص مہم کے واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا جس سے اس کا مقصد اپنی قوم سے ایک لازوال شہرت حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۸۵۸ء کو لندن کی وزارت خارجہ نے اس خاص مہم کا ذکر اپنے ایک اعلان میں ذیل کے الفاظ میں کیا ہے کہ:-

"تیس جولائی کو لاہور میں ہندوستانی پیادوں کی چھبیسویں رجمنٹ نے بغاوت کر کے اپنے کمانڈ افسر میجر سپنسر (SPENCER) کو قتل کر دیا جس کی پاداش میں باغیوں کو بیدریغ قتل کر دیا گیا۔"

؎ DIARY, II, P. 259.

حفاظتی تدابیر کے سلسلہ میں ۱۳ مئی کے دن تین ہزار آٹھ سو (۳۸۰۰) ہندوستانی سپاہیوں سے لاہور میں ہتھیار چھین لئے گئے اور تقریباً تین مہینہ تک چار سو گورے اور سکھ سپاہیوں کی پٹنیں رات اور دن انکی نقل و حرکت کی نگرانی کرتی رہیں۔ ۳۰۔ جولائی کے دن جبکہ آندھی نہایت زور سے چل رہی تھی تو یکایک ان سپاہیوں کے درمیان گھبراہٹ ظاہر ہوئی جس سے انگریز افسران یہ سمجھے کہ یہ گھبراہٹ آندھی کے طوفان کے ڈر سے پیدا ہوئی ہے:

"یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اُن سے ہتھیار چھین لئے گئے تھے تو یہ گھبراہٹ موجودہ ذلیل زندگی کو خیرباد کہنے کیلئے پہلے سے طے شدہ سازش کا اعلان تھا یا نہیں۔ البتہ پرکاش سنگھ نامی ایک مذہبی دیوانہ یکایک ننگی تلوار کو ہلاتا ہوا اپنی جھونپڑی سے باہر کی طرف تیزی سے بھاگا اور اپنے ساتھیوں کو للکارتا گیا کہ وہ اٹھیں اور فرنگیوں کو نیست و نابود کر دیں۔"

اُس نے یعنی پرکاش سنگھ نے میجر کو قتل کر دیا جس کے بعد نمبر ۲۶ ہندوستانی پلٹن آندھی کے طوفان کے درمیان ہی وہاں سے بھاگ نکلی لیکن اُن میں سے جتنے لوگ باقی رہ گئے۔ ان کو چھاؤنی میں ہی سکھوں اور گوروں کی توپوں نے ڈھیر کر دیا۔ منحرفین کی اس جماعت نے دوسرے دن دریائے راوی کو عبور کرنے کی کوشش کی لیکن پولیس کی بروقت مخالفت سے وہ اس مقصد میں ناکام رہے۔ یہانتک کہ مسٹر کوپر (COOPER) امرتسر سے انکا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچا اور جو کیفیت اُس نے وہاں دیکھی وہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:۔

"دیہاتیوں کی ایک بڑی جماعت دریائے راوی کے کنارے جمع تھی۔ جن کے چہرے اسلئے خوشی سے چمکتے تھے کہ وہ باغیوں کو آسانی سے پسپا کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو آدمی تو گولیوں سے ہلاک ہو گئے اور ایک کثیر تعداد کو دوبارہ دریا عبور کرنے پر مجبور کیا گیا جنمیں سے بیشتر حصہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ لیکن باغیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دریا کے اوپر کی طرف بھاگ گئی۔ جہاں کہ وہ لکڑیوں کے تختوں کے ذریعہ تیرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور بعض ایک میل کے فاصلے پر ایک جزیرے پر اُترنے

Marfat.com

میں کامیاب ہو گئے جہاں پر دُور سے وہ جنگلی مُرغوں کی طرح بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔ اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ اِس جماعت کو محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا جائے۔ جس کے بعد ایسی شدید سزا دیجائے جو دوسروں کے لئے عبرت ہو!!

اب مسٹر کوپر (COOPER) کے راستے میں ایک عجیب و غریب عملی مشکل حائل تھی جو بالکل اُس شخص کی ناگفتہ بہ حالت سے مطابقت رکھتی تھی جو ایک ٹومڑ، ایک بطخ اور ایک بوری غلّہ کے ساتھ دریا کے کنارے ایسے وقت پر پہنچتا ہے۔ جب وہاں پر عبور کرنے کیلئے کوئی کشتی وغیرہ نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر وہ پایاب عبور کرنا چاہے تو وہ نہ تو بطخ اور ٹومڑ کو اکٹھا پیچھے چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ اپنی پشتینی دشمنی کی بنا پر ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں۔ اور نہ ہی بطخ اور غلّے کو جس سے غلّے کے نقصان کا احتمال ہے۔ غرضیکہ وہ ان میں سے کسی طرح بھی کسی دو کو پیچھے چھوڑ نہیں سکتا۔ اور وہاں پر رات کے وقت قیام بھی نہیں کر سکتا۔ بعینہٖ سکھوں اور مسلمانوں کی دیرینہ عداوت کے بھڑکنے کے خیال سے نیز اپنے طریق سے باغیوں کو ختم کرنے کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُس نے اپنے آپکو اس مخمصے میں گھرا ہوا پایا۔ چنانچہ مذاقیہ رنگ میں اُس نے اس کہاوت کو سپاہیوں کو سنایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اُن کے خیالات کو بہت حد تک تبدیل کرنے میں کامیاب رہے۔ القصہ اس نے ایک عملی آدمی کی حیثیت سے موقع کے مناسب حالات پر پورا قابو حاصل کر کے اپنے حسبِ منشاء کارروائی کی۔ جس کا ذکر وہ اپنے الفاظ میں اِس طرح کرتا ہے کہ :-

"باغیوں کی قسمت کو بدلنے کیلئے قدرت اور اتفاقاتِ حسنہ نے ہمارا ساتھ دیا۔ کیونکہ اگر انہوں نے بھاگنے کیلئے کوئی حرکت کی ہوتی تو لازماً ایک ہولناک لڑائی شروع ہو جاتی۔ لیکن شکر ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ قدرت نے ان کے دماغ میں خاموش رہنے کا خیال ایسا ڈال دیا جو بالکل ہمارے حق میں تھا۔ سُورج کی سُنہری کرنیں پوری روشنی کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ جب ہم نے دو کشتیوں پر سپاہ کو بھیجا۔ جنکی سنگینوں اور پستولوں کی چمک سے خائف ہو کر تمام باغی سمٹ کر دونوں ہاتھ سینوں پر باندھے ہوئے ساحل کی طرف پوری خاموشی اور عاجزی کے ساتھ بڑھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے

Marfat.com

چھلانگیں ماریں لیکن فی الفور سنگینوں کا رُخ اُن کے سروں کی طرف کیا گیا۔ جس کو دیکھکر انہوں نے کشتیوں کی طرف رُخ پھیر دیا۔ وہ بھی ایک عجیب بھیانک نظارہ تھا جبکہ اُن کے لمبے لمبے عکس پانی پر سُورج کی کرنوں سے پڑتے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن سواروں کو چونکہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی آدمی کو گولی سے نہ مارا جائے اِس لئے اُن احمقوں نے یہ سمجھا کہ مسٹر کوپر کا منشا اُن کو جان سے مارنے کا نہیں بلکہ اُن کے خلاف باقاعدہ مقدمے چلائے جائیں گے۔ جس کے لئے اُنہیں کھانا کھلا کر فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا جائیگا چنانچہ اس غلط امید کے بھروسے پر چھتیس[۳۶] تنومند جوانوں نے اپنے آپکو ایک ہی شخص کے ہاتھ سے بندھوانے کیلئے خاموشی سے پیش کر دیا اور اِس ذلّت کو پسند کیا کہ انہیں کشتی کے ایک گوشے میں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ایک دوسرے کے اوپر پھینک دیا جائے"

آدھی رات تک دوسو بیاسی (۲۸۲) آدمیوں کو قید کر کے کوتوالی کے ایک بُرج میں بند کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ باغیوں کی کافی تعداد کو دیہاتیوں کے رحم پر چھوڑ دیا گیا۔ جنکے انجام کے متعلق تاریخ کے صفحات آجتک خاموش ہیں کہ دیہاتیوں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ اُسی رات بارش ہوگئی تھی اس لئے پھانسیوں کو دوسرے دن پر اُٹھا دیا گیا۔ لیکن مسٹر کُوپر (COOPER) جیسا مذہبی جذبات کا دلدادہ انسان ایسے موسم کی افسردہ خوبصورتی کے اظہار تک سے پہلوتہی نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

" فرحت و تازگی بخشنے والا چاند اپنی خوبصورت اور مختلف النوع روشنی سے بادلوں کو چیر کر نکلا اور تمام فضا کو جگمگ جگمگ کر دیا۔ گویا کہ وہ قیدیوں کے نوشتے کو جلا دے رہا تھا"

دوسرے دن علی الصبح سکھوں کا ایک دستہ رسّے لیکر پہنچ گیا جو درختوں کی کمی کی وجہ سے استعمال نہ کئے گئے۔ بہرحال مسلمان باغیوں کو نیست و نابود کرنے میں سکھوں نے مسٹر کوپر (COPER) کا ہاتھ اچھی طرح بٹایا۔ اگرچہ اسے اندیشہ تھا کہ شاید سکھ باوجود وفادار ہونے کے اس حد تک اذیت پہنچانے میں کامیاب نہ ہوں جسطرح کہ مسٹر کُوپر چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

" پہلی اگست کو بقرعید کے تیوہار کا دن تھا جسے مسلمان ہر سال جانوروں کی قربانی کر کے نہایت دھوم دھام سے منایا کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمان سواروں کو وہاں سے علیحدہ

Marfat.com

کرنے کیلئے یہ ایک مفید عذر تھا۔ چنانچہ ان کو اس تیوہار کے منانے کے لئے امرتسر بھیجدیا گیا اور صرف ایک عیسائی افسر وفادار سکھوں کی امداد سے ایک مختلف قسم کی قربانی کرنے کیلئے وہاں پر اکیلا رہ گیا۔ جو مطلقاً نہ گھبرایا بلکہ پورے حوصلے اور جرأت سے اس کام کو بخوبی سرانجام دیا۔ اب مشکل یہ پیش آئی کہ لاشوں کو کس طرح دبایا جائے تاکہ وہاں کے رہنے والوں کی تعفن (بدبو) سے صحت خراب نہ ہو۔ لیکن قدرت نے پھر ہماری امداد کی۔ یعنی اتفاق سے قریب ہی ایک ویران کنواں مل گیا جس سے اس مشکل کا حل بھی نکل آیا۔"

قیدیوں کو بازوؤں سے پیچھے کی طرف باندھکر دس دس کی ٹولیوں میں میدان میں گولی سے اڑا دینے کیلئے باہر گھسیٹا گیا۔ اپنی قسمت کے انجام کے متعلق سُنکر اُن کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی جس کا نقشہ وہ اس طرح کھینچتا ہے کہ:۔

"جب تقریباً ڈیڑھ سو باغیوں کو اس طرح گولی سے اڑا دیا گیا تو قتل کرنیوالوں میں سے ایک شخص غش کھا کر گر پڑا جو ہلاک کرنیوالوں میں سے بوڑھا سپاہی تھا۔ اس لئے آرام کرنے کیلئے تھوڑا سا وقفہ دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد قتل کی کارروائی کو دوبارہ شروع کیا گیا اور جب تعداد دو سو سینتیس (۲۳۷) تک پہنچ گئی تو ایک افسر نے اطلاع دی۔ کہ باقی باغی بُرج سے باہر آنے سے انکار کرتے ہیں جبکہ وہ چند گھنٹے عارضی طور پر پہلے سے بند کر دئے گئے تھے۔ اس پر بُرج کے دروازے کھولے گئے تو معاً ایک نہایت ہی دردناک نظارہ دیکھنے میں آیا جس سے ہالول کے بلیک ہول HOLWELL'S BLACK HOLE کی تلخ یاد دوبارہ تازہ ہوگئی یعنی پینتالیس انسانوں کی مُردہ لاشیں باہر لائی گئیں۔ جو خوفناک گرمی، سفر کی صعوبت اور دم گھٹنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گئے تھے۔"

اِن مُردہ اور نیم مُردہ لاشوں کو اپنے مقتول ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ گاؤں کے بھنگیوں کے ہاتھوں قریب کے ویران کنوئیں میں پھکوا دیا گیا۔ کوپر COOPER اس رُوح فرسا حادثہ کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے لکھتا ہے کہ:۔

"متذکرہ صدر حادثہ کے حالات جو خود میری اپنی قلم سے لکھے گئے ہیں۔ میرے ہموطنوں

Marfat.com

کو یقیناً حیرت و استعجاب میں ڈال دینگے۔ کہ کس طرح ایک انگریز نے تن تنہا چند ایشیائی سپاہیوں کی مدد سے اتنی بڑی خطرناک ذمہ داری کو اٹھا کر اس قسم کی یادگارِ زمانہ قتل و غارت کو نہایت سنگدلی سے ہوتے ہوئے دیکھا۔ جبکہ فریقِ مخالف کی طرف سے نہ تو کھلی جنگ کیگئی جس سے طبائع جوش میں آکر قتل و غارت کرنے کیلئے اُبھرتیں اور نہ ہی کسی ایک فردِ واحد کو کوئی زخم پہونچایا گیا۔ جسکی بنا پر اس قسم کی شدید منتقمانہ کارروائی کی ضرورت لاحق ہوتی۔ لیکن ایسے اصحاب کو واضح ہونا چاہئے کہ پنجاب کے گورنران صحیح انگریزی کیرکٹر اور خصلت کے مالک ہیں۔ اسی لئے لارڈ نیلسن (LORD NELSON) کی طرح وہ اپنے سٹاف سے متوقع ہیں کہ خطرے کے وقت ہر ایک شخص انگلستان کیلئے اپنا فرض انجام دیگا جسکی بجا آوری کے بعد گورنر کی طرف سے ہر ایک کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے"۔

کتاب کے مقدمہ میں بھی کوپر COOPER نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد جہاں یہ بتانا تھا کہ کس طرح انگریز پنجاب میں حکومت کرتے ہیں وہاں یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ :-

"عیسائیت کے فروغ کے لئے خداوند یسوع مسیح کی روشن وظاہر امداد اور برکت کے مقابلے میں انسانی شجاعت اور دانائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی"۔

اپنی کتاب کے خاتمہ پر وہ لکھتا ہے کہ :-

"ان انسانوں کے لئے جو ظاہری نشانات سے مستقبل کے متعلق فال لینے کے عادی ہیں۔ ہم دہلی کے عیسائی گرجے کی صلیب کے نشان کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اگرچہ وہ گولی جو پر صلیب کا نشان کھڑا کیا گیا ہے۔ باغیوں کی چاندماری سے چھلنی ہو چکی ہے لیکن صلیب کے نشان کو کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا۔ وہ اسی طرح سالم کا سالم اپنی پہلی حالت پر موجود نظر آتا ہے۔ جس کے تمثیلاً یہ معنے ہیں کہ عیسائیت نے تمام دنیا پہ غلبہ حاصل کر لیا ہے"۔

یہ صحیح ہے کہ کتاب کے کچھ عرصہ بعد :-

Marfat.com

"کوپر COOPER پر بھی بہانہ ازرانہ ہمدردی کے رنگ میں تمام دنیا کی طرف سے متواتر شدید حملے کئے گئے کیونکہ اس نے از خود اتنے اہم اور ضروری امور میں خود سرانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔" یہ بھی صحیح ہے کہ اگرچہ شروع میں اُس کے افعال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور ہندوستان میں بھی سوالات اور اعتراضات کی بارش ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہمارے مورخین نے مجبوراً کوپر کی حرکات اور زیادتیوں کے متعلق مکمل خاموشی کو ہی مناسب سمجھا لیکن اُس وقت جس بے چینی سے وہ اعلیٰ افسران کی خوشنودی کا انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر وہ وقت آ ہی پہنچا۔ چنانچہ جان لارنس JOHN LAWRENCE نے اس کی حرکات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے ذیل کے الفاظ میں اپنی خوشنودی کا سارٹیفکیٹ بھیجا :-

"لاہور - مورخہ ۲ اگست ۱۸۵۷ء میرے پیارے کوپر !

ہندوستانی پیادوں کی پلٹن نمبر ۲۶ پر جو فتح آپ نے حاصل کی ہے میں اس کامیابی پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے اور آپکی پولیس نے نہایت جرأت اور دلیری سے باغیوں کی سرکوبی میں حصہ لیا جس کے لئے حکومت آپکی مشکور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باغیوں کی سزا یابی دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہوگی۔ نیز توقع ہے کہ تمام ایسے افراد کو قابو میں لانے کی جملہ تدابیر پر عمل کیا جائے گا۔ جو اس وقت تک مفرور ہیں۔"

رابرٹ مونٹ گمری (ROBERT MONTGOMERY) نے ذیل کا خط مسٹر کوپر کے نام لکھا جبکہ وہ لارنس کے بعد پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر کیا گیا :-

"آپ نے نہایت درست قدم اٹھایا جس کے لئے آپکی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ایسے نازک وقت میں سوچنا یا دیر کرنا یا واپس لوٹنا کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا جبتک کہ تم زندہ ہو یہ کامیابی ایک قیمتی موتی کی طرح تمہاری کلاہِ افتخار پر چمکتی رہے گی یہاں پر بھی باقی تین پلٹنیں کسی قدر مذبذب تھیں۔ لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرینگی۔ حالانکہ میری دلی خواہش ہے کہ وہ ضرور ابھی کوئی حماقت کریں تاکہ انہیں سے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔"

---

۵۱ T.R.E. HOLMES, THE INDIAN MUTINY (4th EDITION) P.353.

Marfat.com

ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ کی حمائت کرنیوالوں میں سے منٹگمری MONTGOMERY بھی ایک زبردست حامی تھا۔ مجھے یقین نہیں کہ ایسے خیالات رکھنے والے انسان کی متذکرہ صدر چٹھی پر قراء واقعی تبصرہ ہو سکے۔ غدر کے بعد اُس نے لارنس کو لکھا کہ:-

"ہندوستانی سلطنت کو انگلستان کیلئے یا انگلستان کو ہندوستان کیلئے محفوظ رکھنے میں نہ تو ہماری پالیسی یا سپاہی یا افسران کی بہادری اور استقلال نے امداد کی۔ بلکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی عنایت سے ظاہر ہوا جس کی توجہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہی" [1]

کوپر کی اس کامیاب مہم کے تھوڑا عرصہ بعد اُس نے ہوڈسن (HODSON) کو ایک ایسے فعل پر مبارکباد کا خط لکھا جسکی درندگی اور سفاکی کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا۔ بلکہ اُن انگریز افسران نے بھی اس واقعہ کی قطعاً کوئی حمائت نہ کی جنہوں نے غدر کی یاد داشتیں مرتب کیں۔

"میرے پیارے ہوڈسن۔ بادشاہ کو گرفتار کرنے اور اس کے بچوں کے قتل کرنے پر تم اور تمہاری پلٹن ہر طرح کی مبارکباد کے مستحق ہو۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ایسے معاملات میں ہمیشہ کامیاب رہو گے"

لیکن کوپر کی سنگدلی کی کارروائی ابھی یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ اِن بدقسمت باغیوں میں سے ایک سپاہی اِس قدر شدید زخمی تھا کہ وہ پھانسی دینے کے مقام پر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر مونٹ گمری کے مشورہ پر اس کی پھانسی کی سزا ملتوی کیگئی۔ تاکہ وہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے آئندہ مفید ثابت ہو سکے۔ چنانچہ اپنے مذہبی جذبات کی نمائش ذیل کے الفاظ میں کی ہے:-

"زخمی سپاہی سے جس قدر حالات معلوم ہو سکیں قلمبند کر لئے جائیں تاکہ وہ اوسکے بعد لاہور پہونچکر باغیوں کا انجام اپنی زبان سے خود لوگوں میں بیان کرے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ہمارے ذریعہ سے مشتہر شدہ باتوں پر لوگ یقین نہیں کرینگے۔ آپکو بعض ایسے باغی بھی یقیناً ملیں گے جو اِس وقت آوارگی کی زندگی بسر کر رہے ہونگے۔ ان میں سے جتنے گرفتار ہو سکیں ہمارے پاس فی الفور بھیجدیئے جائیں کیونکہ لاہور سے

[1] LORD LAWRENCE, P. 114.

Marfat.com

باہر تم کافی خونریزی کر چکے ہو اور یہاں پر فوجیوں کے سامنے ایسی نمائش کی سخت ضرورت ہے۔ نیز جس طریق سے اس وقت تک سزائیں دی گئی ہیں۔ ان کے متعلق بھی لوگوں کو آگاہ کرنا لازمی ہے۔"

چنانچہ اس حکم کے ماتحت تمام زخمی اور اکتالیس کے قریب باغیوں کو دیہاتوں سے تلاش کر کے لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں ان کو فوجوں کے سامنے توپوں سے باندھکر اڑا دیا گیا۔ کوپر کے الفاظ میں "نمبر ۲۶ پلٹن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور سب کی سب تباہ کر دی گئی۔" پھانسیوں کے متعلق اخبار ٹائمز لکھتا ہے کہ :-

"بغاوت کے اعلان کے اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر پانچسو آدمیوں کو قانون کی رو سے سزا دی گئی۔ قارئین یہاں پر بجا طور پر سوال کرینگے کہ ان کا جرم کیا تھا اور کس قانون کے ماتحت اس قدر کثیر تعداد کو پھانسیاں دی گئیں۔ حالانکہ اس وقت کے ذمہ دار حکام کی اپنی رپورٹوں سے یہ تصدیق ہو چکی ہے کہ باغی بالکل نہتے تھے اور طوفان سے ڈرکر بھاگ نکلے تھے۔ نیز محاصرے کے وقت بھوک اور مسافت کی تکلیف اور صدمے سے ان کی حالت نیم مردہ انسانوں کی تھی۔" [1]

مسٹر گریڈ GREATHED جو محاصرین کے ساتھ سول کمشنر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ لکھتا ہے کہ :- "دو انگریزوں کے قتل کے عوض پانچسو باغیوں کی جان لینا ایک ایسا خوفناک بدلہ ہے جو کبھی فراموش نہیں ہو سکیگا۔" [2]

ہاں! یہ بالکل درست ہے کہ جس طرح کانپور کا حادثہ انگلستان کے لئے ناقابل فراموش ہے۔ اسی طرح اس خونی انتقام کی یاد بھی ہندوستان کے دماغ سے کبھی محو نہیں ہوسکیگی۔ چنانچہ اس سفاکی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ جب ہم کوپر کے ذیل کے الفاظ کو پڑھتے ہیں : اس نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھے :-

"ایک کنواں تو کانپور میں ہے لیکن ایک دوسرا کنواں بھی ہے جو اجنالہ (ضلع امرتسر) میں ہے۔ مجھے کوئی وجہ نہیں نظر آتی کہ کیوں اس کو اس لازوال شہرت سے محروم رکھا جائے۔"

[1] MONTGOMERY MARTIN, CHAPTER XXII

[2] LETTERS WRITTEN DURING THE SEIGE, P. 15.

Marfat.com

جس کے حاصل کرنے کی اس کو زبردست خواہش تھی۔ یعنی اس کے نام کو بھی نانا صاحب کے مظالم کے ساتھ ساتھ سفاکوں کی فہرست میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا چاہیے۔

(۱۱)

ہمارے دشمنوں کا انجام تو ناظرین نے پڑھ لیا۔ اب ہمارے دوستوں کا احوال بھی ملاحظہ ہو:-

"ایک افسر جو رینالڈ (RENAUD) کے دستے کے ساتھ متعین تھا بتلاتا ہے کہ ہندوستانیوں کو اس کثرت کے ساتھ پھانسیوں پر لٹکایا گیا جو بیان سے باہر ہے۔ دو دن کے اندر (۴۲) بیالیس آدمیوں کو سڑک کے کنارے پر پھانسی دی گئی۔ اور بارہ (۱۲) آدمیوں کو تو صرف اس جرم پر پھانسی کی سزا ملی کہ جب فوج مارچ کرتی ہوئی ان کے سامنے سے گذری تو ان کے چہرے دوسری طرف کیوں تھے۔ جہاں جہاں فوج نے پڑاؤ کئے وہاں پر قرب وجوار کے تمام دیہات جلے ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ سب مظالم کانپور کے حادثہ کا جواب تھے صحیح نہیں۔ کیونکہ کانپور کا شیطانی واقعہ اُن خوفناک حوادث کے بہت بعد پیش آیا تھا۔ افسر مذکور نے رینالڈ (RENAUD) سے اس طرزِ عمل کے خلاف احتجاجاً مشورہ دیا کہ اگر ہم اسیطرح دیہات کو جلانے کی کارروائی کرتے رہینگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کو راستے میں رسد اور چارہ بالکل دستیاب نہیں ہوسکیگا۔"[۱]

افسر کور کی یہ پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ اکثر مقامات پر راستے میں ہماری فوج کو غلہ وغیرہ فراہم کرانے میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ تمام علاقہ ویران اور تباہ ہوچکا تھا۔ اور ایک متنفس ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ نیز اسلئے بھی لوگ ہمیں مدد دینے سے احتراز کرتے تھے۔ کہ انہیں خدشہ تھا۔ کہ امداد دینے کے باوجود بھی انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائیگا۔ ایسے حالات میں یہ زیادہ حیران کن تھا کہ پھر بھی ہندوستانیوں نے اکثر امداد کی۔

"ہندوستانیوں کے خلاف طبائع اس حد تک برانگیختہ ہوگئی تھیں کہ ان کے ذکر سے بھی ابھی یورپ میں مشکل سے لوگ یقین کرینگے۔ چنانچہ ملازمین کا وہ طبقہ جو شروع سے آخر تک

[۱] RUSSEL, DIARY, P. 221, 222.

نہایت جانفشانی کے ساتھ وفادار رہا۔ اول سے بھی بعض افسران نے نہایت بے جا طور پر سختی کی۔ یہانتک کہ اکثر کو زدوکوب کیا جاتا تھا۔ گولہ باری کرتے وقت پانی پلانے والوں کو مجبور کیا جاتا تھا۔ کہ وہ پانی مہیا کریں۔ حالانکہ بہت سے اس کام میں گولیوں کا نشانہ بنائے گئے۔ یعنی پانی مہیا کرنے کے لئے ان کو گولیوں کی زد سے گذرنا پڑتا تھا جس سے وہ بہ قسمت مفت میں گولیوں کا شکار بنتے تھے۔ سائیس، گھسیارے اور کہاروں کو دن کی گرمی اور رات کی سردی میں کھلے میدان کے اندر سخت دقت کے ساتھ وقت گذارنا پڑتا تھا۔ حالانکہ اُن میں سے اکثر ہماری خدمت کرتے ہوئے زخمی بھی ہوئے تھے۔ دہلی میں باشندوں کے قتلِ عام کی منادی کی گئی۔ حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے متعلق ہمیں علم تھا کہ وہ ہماری فتح کے خواہشمند تھے۔ ہمارے اکثر نوجوان تو محض خون گرانے کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنی ہی فوج کے ہندوستانی اردلیوں اور پوربی گھسیاروں وغیرہ کو گولی سے اڑا دینے کی تمنا کا علانیہ طور پر اظہار کرتے تھے۔" [1]

کے ای (KAYE) جس نے متذکرہ صدر واقعہ قلمبند کیا ہے۔ ان مکروہ حالات پر پردہ ڈالنے کیلئے لکھتا ہے کہ :-

"فوجی کیمپ میں ہندوستانی ملازمین کے ساتھ جو خلافِ انسانیت سختیاں کی گئی ہیں اگرچہ ان کا ذکر اس سے پہلے میں نے خاص طور پر کیا ہے لیکن ان واقعات کے اطلاع دہندوں نے ساتھ ہی اس شبہ کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ انگریزوں کے سلوک میں سختی کا عنصر غدر کے بعد پیدا ہوا یا اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ یعنی غدر سے پہلے بھی ہندوستانی ملازمین کے ساتھ کوئی بہتر سلوک نہیں ہوتا تھا۔ بنابریں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بُرا سلوک کسی منتقمانہ رنگ سے کیا گیا تھا۔"

میجنڈی (MAJENDIE) لکھنو کے محاصرے کے دوران میں ایک عارضی سکون کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں کھینچتا ہے کہ :-

---

[1] THE CHAPLAIN'S NARRATINE OF THE SIEGE OF DELHI.

Marfat.com

"اس تمام سلسلے میں ایک نمایاں جوش کی کیفیت پائی جاتی تھی جس سے ہم سب کے حوصلے برقرار رہتے تھے اس پر مستزاد تفریح کا وہ دلچسپ مشغلہ تھا جو ہندوستانی خدام کو چھیڑ کر خوف و خطرہ کی حالت میں دھکیلنے سے پیدا ہوتا تھا یعنی جس وقت یہ غریب انسان اپنے آقاؤں کا کھانا وغیرہ لیکر آتے تھے۔ تو انہیں مجبوراً بازار کے لیے تھے سے بھی گذرنا پڑتا تھا۔ جو عین دشمن کی گولیوں کی زد میں واقع تھا۔ تو ایسے خطرے کی حالت میں اس قسم کی عجیب و غریب حرکات کرتے تھے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہاں پر شرم و ندامت سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بعض دفعہ ہم خود بھی ان کے خوف ہراس کو بڑھانے کے لئے اور لطف اٹھانے کیلئے ان کی ٹانگوں کے درمیان پتھر پھینک دیا کرتے تھے"[1]

اِن پتھروں کو بندوق کی گولیاں سمجھکر یہ بیچارے اپنی جان بچانے کے لئے بے ساختہ چھلانگیں مارکر اِس طرح دوڑتے تھے کہ اُن کے گاؤدی آقا اپنی پناہ کی جگہ سے اس نظارہ کو دیکھ کر کھِل کھلاکر ہنس دیتے تھے۔ مجینڈی لکھتا ہے کہ اگر کوئی خادم خربہ اندام یا بزدل ہونے کی وجہ سے بھاگنے کے ناقابل ہوتا تھا۔ تو اُسے ڈرانے اور اسکا تمسخر اڑانے کے لئے ہم حقے کو اُسکی ٹانگوں کے درمیان پھینک دیتے تھے جسے وہ غلطی سے توپ کا گولہ سمجھ لیتا تھا۔ لیکن دوسری طرف غدر کے مصائب اور مظالم کے مقابلہ میں وینسنٹ سمتھ (VINCENT SMITH) ایسے ہی خدام اور دیہاتیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر پناہ دی اور جان بچائی

"وفاداری۔ مروت اور ایثار کی سینکڑوں ایسی مثالیں ملتی ہیں جو انسانی فطرت کا طرۂ امتیاز ہیں"[2]

اس لئے کہ تمام ہندوستانی قوم نے دغا باز ہونے کا ثبوت نہیں دیا بلکہ اکثر نے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالکر متعدد انگریزوں کو بچانے میں نہایت فیاضی اور فراخدلی کا ثبوت دیا۔ برطانوی قوم کا ایک نہایت ہی قلیل طبقہ آج بھی نہایت ظالمانہ جانبداری

---

[1] UP AMONG THE PANDIES, P.211

[2] OXFORD HISTORY OF INDIA, P. 723

Marfat.com

سے ہندوستانی عیسائیوں کے افعال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔ حالانکہ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہزارہا ہندوستانی عیسائی محض اس وجہ سے باغیوں کے ہاتھوں قتل کیئے گئے کہ انہوں نے ہماری امداد کیوں کی۔ یہاں پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس بدترین عیسائی نما حکومت نے مردوں اور عورتوں کے بچا لینے میں صرف ہندوستانی عیسائیوں نے ہی امداد نہیں کی۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسری قومیں بھی شامل تھیں۔

(۱۲)

بہرحال جو شرمناک سلوک کہ ہم نے سول آبادی سے روا رکھا۔ وہ ہماری تاریخ پر ایک سیاہ ترین داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کانپور کے حادثہ سے بہت عرصہ پہلے ایک طرف تو فوجی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔ اور دوسری طرف مجلس وضع آئین وقوانین نے مئی اور جون میں نہایت خوفناک قوانین پاس کئے جن پر بڑی سرگرمی سے عمل کیا گیا۔ اور فوجیوں اور سول افسران نے خونی عدالتیں قائم کر کے ہندوستانیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا بلکہ بعض حالات میں بغیر کسی نام نہاد عدالت کے حکم سے بھی پھانسیاں دی گئیں۔ جنہیں مرد عورت کی تمیز روا نہ رکھی۔ بایں ہمہ خونریزی کی آگ دن بدن اور بھڑکتی گئی۔ چنانچہ آج بھی ... کے محفوظ ریکارڈ میں گورنمنٹ ہند کی وہ تمام یادداشتیں محفوظ ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ باغیوں کے علاوہ عام آبادی میں سے عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا۔ نہ صرف سولی پر ہی اکتفا کیا گیا۔ بلکہ دیہات میں اُن کو اپنے مکانوں میں بند کر کے آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ اور شاذونادر ہی کسی ایک کو گولی سے مارنے کی تکلیف کی گئی ہو۔ انگریزوں نے نہ صرف اس قسم کی خوفناک سزاؤں کا فخریہ اظہار ہی کیا بلکہ خود اپنی یادداشتوں میں ان دردناک واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نے حتی الامکان کسی ذی رُوح آبادی کو زندہ نہیں چھوڑا دیا۔ یہاں تک کہ اُن سیاہ فام انسانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے نظاروں سے اپنی خون آشامی کی پیاس بجھا کر لطف اٹھاتے رہے ہیں" ؎

قارئین یقیناً بیدردی اور ظلم کے مسلسل واقعات کو پڑھکر نہایت برداشتہ خاطر ہوگئے ہونگے ۔ لہذا اب میں انگریزی انصاف کے چند نمونے پیش کرتا ہوں جن کا مختلف مقامات پر اظہار کیا گیا ۔ مگر اپنی طرف سے مزید حاشیہ آرائی بالکل نہیں کرونگا۔

بنارس اور الہ آباد میں کانپور کے حادثہ سے پہلے :-

"ایک موقع پر چند نوجوان لڑکوں کو محض اس بنا پر پھانسی کی سزا دیگئی کہ انھوں نے غالباً تفننِ طبع کے طور پر باغیوں کی جھنڈیاں اٹھاتے ہوئے بازاروں میں منادی کی تھی۔ سزا موت دینے والی عدالت کے ایک افسر نے پُرنم آنکھوں سے کمانڈنگ افسر کے پاس جاکر درخواست کی کہ اِن نابالغ مجرموں پر رحم کر کے پھانسی کی سزا کو تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن بے سُود۔ اس تمام سلسلے میں بیشمار ایسے واقعات ملیں گے۔ جن میں اِس قسم کی نمائشی عدالتوں تک سے بھی گریز کیا گیا، اور بیگناہ انسانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ پھانسیاں دینے کے لئے رضاکارانہ ٹولیاں بنائی گئیں۔ جنہوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے دیہات میں دَورہ کیا۔ اس حالت میں کہ اُن کے ساتھ پھانسی دینے کا سامان بھی مکمل نہیں تھا اور نہ ہی کسی کو پھانسی دینے کے طریق سے پوری واقفیت تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک "شریف آدمی" اپنی شاندار کامیابی کا اِس طرح فخریہ اظہار کرتا تھا کہ کہ ہم پھانسی دیتے وقت عام طور پر آم کے درخت اور ہاتھی کو استعمال کیا کرتے تھے۔ یعنی ملزم کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لیجاتے تھے اور اوپر سے رسّہ ڈال کر ہاتھی کو ہنکایا جاتا تھا۔ یہانتک کہ ملزم اِس طرح تڑپنے اور جانکنی کی حالت میں اکثر اوقات انگریزی کے آٹھ (8) ہندسے کی دلچسپ شکل بنکر رہ جاتا تھا۔"[1]

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر (TAYLER) کمشنر کا باغیوں کے خلاف شہادتیں فراہم کرنے کا طریقہ "میں نے گواہ سے کہا کہ میں تمہاری جان بخشی کر دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم اس کے عوض کوئی تین ایسے نام بتاؤ جنکو تمہارے عوض میں پھانسی دی جائے چنانچہ اس نے وہی نام بتائے جن کو میں پہلے ہی جانتا تھا۔ لیکن اسپر بھی ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا جس سے

[1] KAYE, BOOK V, CHAPTER ii.

Marfat.com

ہم اپنی آرزو کو پورا کر سکتے ہیں۔" [1]

سہارنپور: یہاں پر حالات ایسے نازک تھے کہ ہمیں مناسب انتظام قائم رکھنے کیلئے متعدد پھانسیاں دینے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ ہمارے ایک ماتحت سول افسر نے اس ضرورت کو قرار واقعی طور سے پورا کیا۔ جسکی تفصیل کو اس نے ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا ہے جو میری نظر سے نہیں گذری۔" [2]

آگرہ: یہاں کے دیہات سے متعدد کسانوں کو جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ گرفتار کیا گیا اور اُن باغی سپاہیوں کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیا گیا جو قرب وجوار سے پکڑے گئے تھے۔ فوجی عدالت کے سامنے ان میں سے بعض نے تو عجیب و غریب حرکات کیں یعنی بعض نے تو فرضی طور پر دیوانگی اختیار کر لی۔ جس کے اظہار کے لئے وہ مکھیاں پکڑ کر ہمارے سامنے بے دریغ چباتے تھے اور بیہودہ بکواس کرتے جاتے تھے۔ لیکن بعض فوجی عدالت کے افسران کیساتھ نہایت گستاخانہ طریق پر درشت کلامی سے پیش آئے۔" [3]

دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد: مسز کوپلینڈ (MRS COOPLAND) ۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو اپنی ایک چٹھی میں لکھتی ہیں کہ دہلی کے محاصرے سے لیکر اب تک اعلیٰ فوجی حاکم کے حکم سے چار سو سے لیکر پانچ سو تک بدقسمت انسانوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ چنانچہ اب وہ اپنی جگہ سے، استعفےٰ دینے کا خیال کر رہا ہے۔ مزید برآں یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ خونریزی کے عادی سپاہیوں نے جوشِ انتقام کو فرو کرنے کے لئے پھانسی دینے والے جلادوں کو رشوت دیکر آمادہ کیا ہوا تھا کہ وہ پھانسی کے تختے پر زیادہ دیر تک لٹکے رہنے دیا جائے۔ تاکہ لاش کے تڑپنے کی دردناک کیفیت دیکھکر جسے وہ ناچ سے تشبیہ دیتے تھے اپنی خونخوار طبائع کے لئے دلچسپی کا سامان بنا سکیں۔ اس کے میزبان کیپٹن گارسٹن (CAPTAIN GARSTIN) نے بتایا کہ جھجر کے نواب صاحب کو جان دینے میں بہت عرصہ لگا۔ کیونکہ وہ ابھی اُس کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھکر آیا ہے۔" [4]

---

[1] MONTGOMERY MORTIN CHAPTAR XI.

[2] SIR GEORGE CAMBELL, I, P. 238. LETTER 12th AUGHAST 1857.

[3] P. 212. A LADY'S ROCOPE FROM GAWALIAR.

[4] A LADY'S ROCAPE FROM GAWALIAR. P. 269.

Marfat.com

"ایکدن ایک ہندوستانی جوہری مسز گارسٹن (MRS GARSTIN) کے پاس سونے چاندی کے کچھ ظروف بیچنے کیلئے لایا اور مسز موصوفہ نے یہ سمجھکر کہ دام کچھ زیادہ بتائے گئے ہیں ویسے ہی تفنن طبع سے کہا کہ دیکھو تم کو مٹکاف (METCALF) صاحب کے پاس بھیجدینگے چنانچہ اس فقرے کو سنتے ہی وہ حواس باختہ ہوگیا اور اسطرح سر پہ پاؤں رکھکر بھاگا کہ اپنے قیمتی ظروف بھی وہیں چھوڑ گیا۔ جس کے بعد اس نے کبھی اپنی صورت نہ دکھائی، اور نہ ہی ظروف کی واپسی کا مطالبہ کیا۔" ؎۱

"یعنی دوسرے دن سر تھیوفی لس میٹکاف (SIR THEOPHILUS METCALF) کو دیکھا جسے ہندوستانی نہایت دہشت اور خوف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں اُسے ہندوستانی ملتے ہیں وہ انہیں سزائیں دیتا ہے۔ اور جہانتک ممکن ہوتا ہے گرفتار شدگان کو پھانسی پر لٹکائے جاتا ہے" ؎۲

"تمام ہیجان رحم کے اظہار کرنے کی پالیسی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ تمام ایسے ملزمین جو پیش کئے گئے تقریباً سب کے خلاف فرد جرم لگادی گئی اور موت کی سزا کا حکم دیدیا گیا۔ شہر کے ایک بلند مقام پر ایک چوگوشہ سُولی نصب کی گئی ہے جہانکہ پانچ اور چھ اشخاص کو روزانہ پھانسی دی جاتی ہے جس کے قریب ہی انگریز افسران سگرٹوں کے کش پر کش اڑاتے ہوئے لاشوں کے تڑپنے کے نظاروں میں محو دکھائی دیتے ہیں۔" ؎۳

"دہلی میں جو دردناک سختیاں روا رکھی گئی ہیں وہ بے حد افسوسناک ہیں۔ چونکہ میں اُسوقت دہلی میں موجود نہیں تھا اس لئے تفصیل سے لاعلم ہُوں۔ لیکن جو کچھ میں نے سُنا ہے اُس سے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہُوں کہ ان میں سے بیشتر پھانسیاں یقیناً انصاف کے خلاف دی گئی تھیں۔" ؎۴

"دہلی پر قبضہ کرنے کے دن سے لیکر سوائے چند دنوں کے پانچ سے لیکر چھ تک روزانہ پھانسیوں کی تعداد تھی۔ اور اگر اسی طرح معمُولی قانون ۔ سے قطع نظر کرکے سزائے موت کی پالیسی پر عمل ہوتا رہا تو اس ملک میں سول گورنمنٹ کے قیام کی توقع تقریباً ناممکن

؎۱ IBID, P.273. ؎۲ TIMES, A LETTER FROM DELHI, JANUARY 1858

؎۳ HOLMES, P.386. ؎۴ CAMHELL, I. 248

Marfat.com

ہو جائیگی ؟ لہ

شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب :۔ "ان صوبوں میں نہ صرف ہر قسم کے جرائم کے بدلے میں بلکہ ایسے مشتبہ جرائم کے عوض بھی اندھا دھند پھانسیاں دینے کی کارروائی سے جس میں مرد عورت۔ بوڑھے اور بچے کی کوئی تمیز روا نہ رکھی گئی۔ نیز بے شمار دیہات کے جلائے جانے کی وجہ سے آبادی کے اُس حصہ میں بھی نفرت اور دہشت پھیل گئی ہے جو اس وقت تک گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فصلیں نہ بوئی گئیں اور قحط کے پھیلنے کا سخت احتمال ہے۔ مزید برآں وہ سپاہی جو غیر مشتبہ رہ گئے ہیں یا جنگی پلٹنیں توڑ دی گئی ہیں۔ یا جنہوں نے اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالکر اپنے افسران کو باغیوں کے غصہ سے بچانے کی کامیاب کوشش کی۔ ایسے تمام افراد انگریزوں کی درشت پالیسی کو دیکھکر اور بے دریغ سزاؤں اور ہندوستانیوں کے خلاف عام نفرت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے جان و مال کو بالکل غیر محفوظ حالت میں محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ بدقسمتی سے انگریز افسران کا طرزِ عمل نہایت ہی قابلِ اعتراض تھا۔ بلکہ اب بھی بعض مقامات سے اس قسم کی دلخراش اطلاعات سننے میں آتی ہیں۔ یہ خیال نہایت ترقی پکڑ گیا ہے کہ گورنمنٹ کا منشا۔ تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دینے کا ہے " لہ

(۱۳)

ان حالات کو دیکھکر یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ حکومت بعض پھانسیوں کے عمل بوتے پر کی جارہی تھی۔ جس میں بعد میں عام قتل و غارتگری بھی شامل کی گئی۔ چنانچہ ایل کارتھل (AL CARTHAL) لکھتا ہے کہ :۔

" عام قتل وغارت بذاتہ ایک ایشیائی دماغ کے لئے جو حکومت وقت کی طرف سے عمل میں لائی جائے۔ بہت حدتک قابلِ نفرت نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ وہ ایسے تجربات سے بخوبی آشنا رہ چکا ہے۔ سیاسی قتل دغارت کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے کوئی بھی اسکے ذہن پر ناخوشگوار اثر نہیں ڈالتے " سلہ

لہ LORD RLLENBOROUGH IN RARLIAMENT ON 16 2/58 لہ GOVERNER GENERIAL IN COUNCEL, 24th DEC 57 ON STATE OF OFFAIRS IN JULY.

سلہ THE LOST DOMINION, P. 93. 46

غدر میں قتل و غارت گری کی وارداتیں گورنمنٹ کی طرف سے بیشتر دیکھنے میں آئیں چنانچہ جھانسی۔ کانپور اور دہلی میں اگرچہ منتقمانہ حیثیت سے اس قسم کی قتل و غارتگری کے لئے کسی قدر گنجائش بھی موجود تھی۔ لیکن لکھنؤ میں تو بلا وجہ قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا جس کی تفصیل ایک افسر کے قلم سے ذیل میں دی جاتی ہے :۔

"لکھنؤ پر قبضہ کرنے کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ چنانچہ ہر ایسے ہندوستانی کو قطع نظر اس کے کہ وہ سپاہی ہے یا اَوَدھ کا دیہاتی، بیدریغ تہ تیغ کیا گیا۔ یہاں تک کہ نہ تو کوئی سوال ہی کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی تکلف روا رکھا جاتا تھا۔ بلکہ محض سیاہ رنگت ہی اس کے مجرم ہونے کے لئے کافی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اور ہلاکت کیلئے ایک رسّہ اور درخت کی شاخ کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یا اگر یہ اشیاء مہیا نہ ہوں تو بندوق کی ایک گولی بے گناہ انسان کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی اور وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔" [1]

دہلی میں :۔ "ہماری فوج کے شہر میں داخل ہونے پر تمام ایسے لوگ جو شہر کی چار دیواری کے اندر چلتے پھرتے نظر آئے۔ سنگینوں سے وہیں پر ختم کر دیئے گئے۔ ایسے بدقسمت انسانوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ آپ اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک گھر میں بالیس یا پچاس ایسے اشخاص ہمارے خوف سے پناہ گزیں ہو گئے جو اگرچہ باغی نہ تھے بلکہ غریب شہری تھے اور ہمارے عفو و کرم پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ جنکے متعلق میں خوشی سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سخت مایوس ہوئے کیونکہ ہم نے اُسی جگہ اُن کو اپنی سنگینوں سے ڈھیر کر دیا۔" [2]

"بیگناہ شہریوں کو درآنحالیکہ وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ بلکہ عمر رسیدہ انسانوں کو حالانکہ اُن کے جسم رعشہ سے کانپ رہے تھے، کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فوجیوں کو اس قسم کے قتل کرنے کی زبردست ترغیب دی گئی تھی۔ کیونکہ ان کے بہت سے ساتھیوں کو جبکہ وہ شہر میں اِدھر

---

[1] MAJENDIE, P. 195-196.

[2] LETTERS IN THE BOMBAY TELEGRAPH MONTGOMERY MARTIN

Marfat.com

اُدھر گھوم رہے تھے۔ بعض مذہبی دیوانوں اور بدمعاشوں نے موقع پاکر شہر کے غیر آباد محلوں میں اُن پر حملے کئے اور بہت بُری طرح سے مارڈا...

حُب الوطنی کا جذبہ متین سے متین دماغوں پر بہت بُرا اثر ڈالا کرتا ہے۔ جس سے یہ لوگ اکثر دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ آخری مصـ... ہیں ابھی یہ بتاتا ہے کہ دہلی میں داخل ہوتے ہی ہمارے سپاہیوں نے پہلا کام یہ کیا کہ شراب کی دکانوں کو بے دریغ لوٹنا شروع کردیا۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ہندوستانیوں پر کسی قسم کے رحم کا اظہار نہیں کیا گیا۔ پھر بھی جب ہمارے سپاہی شراب اور خونریزی کے نشے میں غصّے سے اندھے ہوکر ہندوستانیوں پر اِس نیت سے حملہ آور ہوئے کہ ان کو بے دریغ قتل کردیا جائے تو ان میں سے بعض ہندوستانیوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ چنانچہ ہمارا انصاف پسند مصنف اِس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اس کو "بیدردانہ قتل" بتاتا ہے اور قاتلوں کو مذہبی دیوانہ لکھتا ہے"! ہم حیران ہیں کہ بقول مصنف ان مذہبی دیوانوں کو اُس وقت کونسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے تھے۔ کیا اسکا یہ مقصد ہے کہ تمام ہندوستانی نہایت نرمی اور سہولیت کے ساتھ اُن شرابی لُٹیروں کو انکی قیامگاہوں پر پہنچا آتے اور وہاں سے فارغ ہوکر اپنے آپکو شہر کے فوجی جرنیل کے سپرد کردیتے جو ایکدم اُن کے خاتمہ کرنے کا حکم دیدیتا۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے کہ کسطرح غدر کے متعلق مفروضہ "بہترین کتاب" میں "ایماندارانہ طریق" پر مصنف نے واقعات پر بحث کی ہے۔ چنانچہ ٹائمز کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ :۔

"مَیں نے دہلی کے گمنام بازاروں میں سَیر کرنا مطلقاً چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ کل ایک ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں آیا۔ جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یعنی جب ایک افسر بیس سپاہی لیکر شہر کی گشت کو جانے لگا تو مَیں بھی اُن کے ہمراہ ہولیا اور راستے میں ہم نے چودہ (۱۴) عورتوں کی نعشوں کو شالوں میں لپٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا۔ جن کے سر دھڑوں سے اُن کے خاوندوں نے خود جدا کئے تھے چنانچہ ایک عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ دردناک حادثہ اِس لئے ظہور پذیر

[1] HOLMES, P. 370.

Marfat.com

ہوا کہ اِن مستورات کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ اگر انگریز سپاہیوں کے قابو میں آگئیں تو وہ ان کی عصمت دری کردیں گے۔ اسی لئے بحالاتِ موجودہ اپنے ناموس کے تحفظ کا یہی طریقہ مناسب خیال کیا گیا۔ جس کے بعد انہوں نے خود بھی خودکشی کرلی۔ چنانچہ ہم نے اُن کے خاوندوں کی لاشوں کو بھی بعد میں دیکھا۔" [1]

"نادرشاہ کی تاریخی لُوٹ اور قتلِ عام کے بعد جبکہ اس نے چاندنی چوک کی مسجد میں بیٹھکر غارت گری کا حکم دیا تھا۔ ایسا دردناک نظارہ آج سے پہلے شاہجہان کے دارالخلافہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" [2]

دہلی کی فتح کرنے میں ہمارے سپاہیوں نے بہادری اور جوانمردی کے جوجوہر دکھائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اُن کو آکسفورڈ تاریخ ہند کے مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کی قتل وغارت گری کے متعلق نہایت احتیاط سے اشارہ تک نہیں کیا۔ البتہ صرف اتنا ہی لکھا جتنا کہ ایک مہذب سپاہ سے ایسے اوقات میں عام طور پر کسی شہر کے فتح کرنے کے بعد توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف نادرشاہ کی تاریخی لُوٹ پر جن گرانقدر خیالات کا اظہار فاضل مصنف نے کیا ہے۔ میرے خیال میں قارئین کے لئے یقیناً دلچسپی کا موجب ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:-

"نادرشاہ نے نہایت خوفناک انتقام لیا۔ روشن الدولہ کی سنہری مسجد میں بیٹھکر جو شہر کے ایک ممتاز بازار میں واقع ہے۔ اس نے پورے نو گھنٹے تک ہزاروں بیگناہ انسانوں کے دردناک قتل وغارت کا نظارہ دیکھا۔ آخر کار محمد شاہ کے عاجزانہ گڑگڑانے سے متاثر ہوکر اس نے اس قتلِ عام کو رد کنے کا حکم دیا جو اسی وقت ختم کردیا گیا۔"

یہ واقعہ تو ایکسو سال پہلے کا ہے یعنی نادرشاہ کا حملہ ۱۷۳۹ء میں ہُوا لیکن بالکل ویسے ہی دردناک بیانات غدر کے سلسلے میں ہم پہلے پڑھ آئے ہیں۔ بعینہ یہی دردناک نظارہ ہماری آنکھوں نے اس وقت دیکھا جب جرمنی نے بلجیم پر حملہ کیا اور یہی تباہی اور بربادی غدر میں دہلی کے باشندوں کے حصے میں آئی جسکی تفصیل درج ذیل

---

[1] TIMES, LETTES DATED 19.11.57. MONTGOMRY MARTIN. [2] TIMES, 16.11.57.

Marfat.com

ہے کہ :۔

"باغیوں کے جرائم کے مقابلہ میں ہزار گُناہ زیادہ سنگین پاداش باشندگانِ دہلی کو برداشت کرنی پڑی۔ ہزارہا مرد۔ عورت اور بچوں کو بیگناہ خانماں بربلہ ہو کر جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھاننی پڑی اور جتنا مال و اسباب وہ پیچھے چھوڑ گئے گئے۔ ان سے ہمیشہ کے لئے اُنکو ہاتھ دھونے پڑے۔ کیونکہ سپاہیوں نے گھروں کے کونے کونے کھود کر تمام قیمتی اشیاء کو قبضہ میں کر لیا اور باقی سامان کو توڑ پھوڑ کر خراب کر دیا جسکو کہ وہ اُٹھا کر نہیں لے جا سکتے تھے۔" ط۱

"عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اپنے آپکو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا جن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ کئی دفعہ ایسی بیکس اور شریف عورتوں کے غول کے غول ہاتھی قافلوں کی شکل میں دیکھنے میں آئے جن میں سے اکثر بیچاری پیدل [illegible] سے چل سکتی تھیں۔ اور بعض کے ساتھ عمر رسیدہ مرد نظر آتے تھے جو چلنے [illegible] کھا کھا کر پڑتے تھے" ط۲

"تمام آبادی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا جن کے لئے اپنے [illegible] کو دوبارہ دیکھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر بعض بوڑھے مرد بھی [illegible] تھے۔ جن کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا گیا اور شہر سے نکل جانے کیلئے [illegible] سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ ایسی کوئی مثال ہمارے سُننے میں نہیں آئی کہ کہیں کسی عورت کو ارادۃً قتل کیا گیا ہو۔" ط۳

باوجود اس کے کہ میرے بعض پادری دوستوں نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ دو پُشتیں گذر جانے پر ہندوستان اور بالخصوص دہلی والوں کے دماغ سے غدر کے خوفناک مظالم کی یاد محو ہو چکی ہے لیکن اس وقت اس کی صحت یا عدمِ صحت پر بحث کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہماری سلطنت کا نیا دار الخلافہ اُس پُرانی غیر فراموش شدہ تلخی اور مظلومیت کی بنیادوں پر آباد کیا جا رہا ہے چنانچہ بعض ایسے مقامات جو بے انتہا مصائب و تکالیف برداشت کرنے کی وجہ سے گو ایک خاص خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی اُن مظلوموں کے بھوت اکثر ان مقامات کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ بعینہٖ باشندگانِ دہلی

ط۱ HOLMES, P. 386. ط۲ GREATHED, P. 285. LETTER DATED 18.9.57.

ط۳ GREATHED, P. 280. DATED. 16.9.57.

Marfat.com

کے دماغ میں آج بھی نامعلوم طور سے دردناک حوادث کی یاد موجود ہے جو ہر انگریز مرد و عورت کے دماغ پر ایک نامعلوم اثر چھوڑ دیا کرتی ہے جو اُن سے ملنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اندر ہی اندر ایک قسم کی بے چینی سی محسوس کرتے ہیں جس سے خیالات میں ایک قسم کا ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہلکا سا پردہ یکایک نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا ہے۔ پہلے میں کبھی اس حالت کو سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اُس وقت ان کو مجھ سے زیادہ علم تھا۔

(۱۴)

لیکن کانپور کے حادثہ کے متعلق کیا کہنا چاہیئے جو بیفائدہ شجاعت اور ناقابلِ بیان مصائب کی ایک دردناک یاد ہے اس واقعہ کے متعلق مختلف اقتباسات پیش کر کے ناظرین کی اپنی قوتِ فیصلہ پر چھوڑتا ہوں :-

"مختلف شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ باغی سپاہیوں کی پہرہ دار جماعت نے قیدیوں کو قتل کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ یہ سنگین جرم نانا صاحب کے پانچ بدمعاش مصاحبوں کے ایما سے عمل میں لایا گیا۔ بنا بریں تمام قوم کو اس سفاکانہ قتل کا ذمہ دار قرار دینا نہ صرف حقیقت کے خلاف ہے بلکہ نہایت تنگدلانہ تعصب ہے"! [1]

"ایک انگریز کا خون غصے اور انتقام سے کھولنے لگتا ہے جب وہ کسی ہندوستانی کے ہاتھوں کسی انگریز عورت کے قتل کے واقعہ کو سنتا ہے لیکن ہندوستانی تاریخ یا افسانوں کو سُنکر عام ہندوستانیوں کے جذبات کی کیا کیفیت ہوگی۔ جب وہ اُن بیشمار معصوم اور گمنام عورتوں، بچوں اور مردوں کے بیدریغ قتل کے حالات پڑھتے یا سُنتے ہوں گے جو انگریز کے بے پناہ انتقام کا نہایت سفاکی سے شکار بنائے گئے تھے۔ یقیناً جس طرح ہم اپنے ہمقوم افراد کے مقتول ہونے سے چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستانیوں کے دماغ بھی ایسے واقعات سننے کے بعد ضرور متاثر

[1] SIR GEORGE FOREST, THE INDIAN MUTRIY XI.

Marfat.com

ہونگے"۔ [۵۱]

اگرچہ کانپور کے خونی واقعہ میں تاریخی سنگدلی کا خوفناک طریق سے مظاہرہ کیا گیا تھا۔ جو نرم سے نرم الفاظ میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قتل و غارت کے اس ڈرامے کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو باتوں کا خیال ضرور کر لینا چاہیئے۔ اوّل یہ کہ جنرل ہیولاک (HOVELOCK) نے باغیوں کو نہایت بیدردی سے پیٹا تھا جس سے فارغ ہوکر وہ شہر میں داخل ہوا تھا۔ اس واقعہ کی خبر سے ایک عام غم و غصہ اور مایوسی کی حالت پیدا ہوگئی۔ دوسرے ہمارے آدمیوں نے کانپور پر حملہ کرتے ہوئے راستہ میں اس قدر شدید مظالم کئے جن سے باغیوں میں بے انتہا اشتعال پیدا ہوا۔ اور نتیجہ میں یہ خونی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب اس حادثہ کے متعلق پوری تحقیقات کیگئی۔ تو کوئی بھی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ خوفناک قتل کسی پہلے سے طے شدہ سازش کا نتیجہ تھا دوسری طرف اگر ہم اُن بے شمار مظالم اور زیادتیوں کو جو ہمارے سپاہیوں کے ہاتھوں ہندوستانیوں کے خلاف عمل میں آئیں نظر انداز بھی کر دیں جنکو مسٹر کے ای KAYE نے تفصیل سے بیان کیا ہے تو پھر بھی ہر دو فریق کے حالات پر مکمل غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس معاملے میں صرف ہندوستانی ہی قتل و خونریزی کے مجرم نہیں تھے۔ بنارس میں جو مظالم توڑے گئے۔ اگرچہ مجھے انکا مفصل علم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جن واقعات کا مسٹر کے ای KAYE نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست تھے۔ بالخصوص جنرل نیل NEILL کے حملہ کے وقت جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا تھا۔ اس کو درست تسلیم

---

[۵۱] KAYE. BOOK V CHAPTUR (ii)

[۵۲] **نوٹ**: مصنف کا اشارہ جنرل نیل NEILL کی سپاہ کے اُن ہولناک مظالم سے ہے جو محاصرہ کانپور کی غرض سے جاتے وقت رستہ میں دیہات کو انکی تمام آبادی کے سمیت زندہ جلانے کی صورت میں سرزد ہوئے۔ اگرچہ اِن بزدلانہ مظالم کے عینی شاہدوں کے تفصیلی بیانات میرے پاس موجود ہیں لیکن مَیں ناظرین کو اِن رنجدہ واقعات کے مطالعہ سے مزید تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا۔

Marfat.com

کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں مَیں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ الہ آباد میں تو بے انتہا انسانوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ چنانچہ جب جنرل نیل ان مظالم سے فارغ ہو چکا تو اس نے اپنے ایک میجر کو کانپور روانہ کیا تو اس نے بھی راستے میں نہایت بیدردانہ طریق سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ حالانکہ انکا بظاہر کوئی قصور بھی نہیں تھا قتل و غارت گری کی آخری کمی جنرل نیل خود پوری کرتا ہے جب اس کے حکم سے بے گناہ انسانوں کو ایسی شدید تکالیف دیکر جان سے ہلاک کیا گیا کہ ان کے مقابلے میں ہم ہندوستانی سنگدلی اور بربریت کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتے"[1]

سر جارج کیمپبل (SIR GEORGE CAMPBELL) نے ان افواہوں کی بھی تحقیقات کی جو غدر کے زمانہ میں نہایت کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ باغیوں نے انگریز عورتوں سے بدسلوکی کر کے ان کی عصمت دری کی۔ چنانچہ اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ انگریز افسروں اور سپاہیوں نے اشتعال میں آکر ایسا دردناک انتقام لیا۔ وہ ان تمام افواہوں اور کہانیوں کی صحت سے بالکل انکار کرتا ہے جس کی تصدیق تقریباً تمام مستند مورخین نے بھی کی ہے[2]

ایک معزز ہندوستانی نے جس نے کافی عرصہ تک حکومت کی خدمت کی ہے۔ غدر کے حالات کو قلمبند کرتے ہوئے جس تدبر اور فیاضی کا ثبوت دیا ہے اس کا عشر عشیر بھی ان فاتحین میں نظر نہیں آتا۔ جنہوں نے غدر کے واقعات کو غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے:-

"لکھنؤ میں انگریزوں کی چھوٹی سی جماعت نے باغیوں کے بے شمار لشکر کا جس پامردی اور استقلال سے مقابلہ کیا اور خصوصاً جس عجیب طریق پر ہنری لارنس جیسے سچے اور دلاور انگریز کی اچانک موت اپنے فرض کی ادائگی کرتے ہوئے واقعہ ہوئی۔ نیز جس بے خوفی اور دلیری سے مٹھی بھر انگریز بہادروں نے دہلی کے اندر محصور ہو کر باغیوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دی

---

[1] CAMPBELL, 1, P. 280.

[2] نوٹ: کانپور میں مس ویلر MISS WHEELER کا ہی ایسا مشکوک واقعہ ہے جو غالباً کیمپبل کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی شہادتیں اس بات کے حق میں ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔

Marfat.com

یہانتک کہ سرجان لارنس SIR JAMES LAWRANCE جیسے بیدار مغز سیاست دان نے پنجاب کو مجبور کردیا کہ وہ صاف طور سے میدان میں نکل کر صف آرا ہو۔ چنانچہ پنجاب نے ایسے نازک دور میں حکومت برطانیہ کی بیش بہا امداد کر کے ان بہادروں کو آنے والی مصیبت سے بروقت نجات دلائی۔ نیز جس سرعت اور کامیابی کے ساتھ وسط ہندوستان سے شمال کی طرف فوجوں کی نقل وحرکت عمل میں لائی گئی۔ اور روہیلکھنڈ اور اودھ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جس قدر مصائب اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ تمام ایسے زریں واقعات ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ چنانچہ انگریزی تاریخ کے صفحات آج بھی شجاعت ودلیری کے ان تمام واقعات سے لبریز ہیں جن کی وجہ سے انگریزی علم ادب میں ایک معتدبہ اضافہ ہوا ہے یہانتک کہ لکھنؤ کی شجاعت و دلیری کے واقعہ کو ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے عہد کے ملک الشعراء نے اپنی دلفریب نظم میں ہمیشہ کے لئے زندہ کردیا ہے۔ اور عہد حاضرہ کے مشہور اہل قلم افسانہ نگاروں نے دہلی کے قبضہ اور جان نکلسن JHON-NICHOLSEN کی بہادری کے کارناموں کو نہایت خوبی سے اپنی تصانیف کی زینت بنایا ہے

لیکن دوسری طرف غدر کے دوران کے خونی واقعات کو اس کتاب میں قلمبند کرنا یا بحث میں لانا سخت مشکل ہے کیونکہ انگریز اور ہندوستانی دونوں کی یہ خواہش ہے کہ فریقین کے مظالم کی یاد کو محو کرنے کے لئے اگر ممکن ہو سکے تو تاریخ کے صفحات سے ہمیشہ کے لئے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے جائیں۔ بالخصوص وہ واقعات تو سرے سے الگ کئے جائیں جو درسی کتب میں سکول کے طلبہ کو پڑھنے کے وقت یاد کرنے پڑتے ہیں کلائو (CLIVE) اور ویلنگٹن (VELLINGTON) کے وقت سے ہندوستان میں سینکڑوں جنگ ہوئے لیکن ایسی کوئی لڑائی نہیں ملیگی جس میں فریقین نے اس کثرت سے ایک دوسرے کو وحشیانہ ظلم اور سفاکی کا شکار بنایا ہو۔ جس طرح کہ ۱۸۵۷ء میں اظہار کیا گیا۔ باغی اگرچہ اپنے مذہب اور تمدن کے تحفظ کے لئے اُٹھے تھے لیکن بے پناہ عورتوں اور بچوں وغیرہ کے قتل عام نے ان کے اس اعلیٰ مقصد کو دنیا کے سامنے ذلیل و رُسوا کردیا دوسری طرف انگریز فوجوں نے راستے میں سینکڑوں میلوں تک سڑک کے دونوں طرف دیہاتوں کو بے دریغ قتل وغارت سے برباد کرکے ملک کو مصر کی طرح ویران و سنسان

Marfat.com

بنادیا۔ دہلی سے باغیوں کے فرار ہوجانے کے بعد انگریز فاتحین نے باشندوں کا قتل عام کیا اور بے ضابطہ انگریزی عدالتوں کے حکم سے ہزاروں شہری پھانسی کے تختے پر لٹکائے گئے۔ حالانکہ ان کا بغاوت سے دُور کا بھی تعلق نہیں تھا۔" [1]

ہندوستانی غدر کی تاریخ HISTORY OF THE INDIAN MUTINY مصنفہ سر جارج فارلیسٹ (SIR GEORGE FOREST) اگرچہ کے ای KAYE اور میلیسن MALLESON کی تواریخ کے مقابلہ میں غدر کے حالات پر ایک مستند اور معتبر تاریخ تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی ہمارے فوجیوں کی زیادتیوں پر نہایت خوبصورتی سے پردہ ڈالا گیا ہے۔ یعنی اشارۃً یا کنایتاً بھی انکا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ خاتمہ پر تو آخری تین پھانسیوں کی کیفیت کو نہایت چرب زبانی سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"انصاف کے منشاء کے مطابق کارروائی کی گئی اور ایسے تمام افراد کی جان بخشی کی گئی۔ جن کے خلاف قتل عمد کا ثبوت ناکافی تھا۔ چنانچہ ملک کو خون گرانے والوں سے مکمل طور پر پاک وصاف کردیا گیا۔" [2]

تمام دنیا کی تواریخ کو ایک جگہ اکٹھا کرکے اگر متذکرہ صدر تصنیف کی "راستبازی" کا مقابلہ کیا جائے تو غالباً ایک بھی ایسی مثال آپکو نہیں ملیگی جس میں اسطرح علی الاعلان بے حیائی سے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

---

[1] ROMESH CHUNDIR DUTT, INDIA IN THE VITORIAN AGE, P. 224.

[2] VOLIME III, P. 623.

[3] نوٹ:۔ پھر بھی مصنف اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ لکھنؤ کو فتح کرتے وقت دل کھول کر لوٹا گیا اور ایکدفعہ تو مُردہ سپاہیوں کی نعشوں کو بھی درختوں پر پھانسی دینے کیلئے لٹکایا گیا۔

Marfat.com

باب دوم (۲)

غدر کے اثرات

(۱)

پچھلے باب کے بیان کردہ واقعات کو پڑھکر بعض دوستوں کے دل میں شاید خیال پیدا ہوگا۔ کہ بہتر ہوتا اگر واقعات کے اس غلیظ کیچڑ کو زمانہ کی تہ کے نیچے ہی پڑے رہنے دیا جاتا اور اس طریقہ سے اسے اچھالا نہ جاتا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہی طریقہ مناسب تھا کیونکہ بیشمار انگریزی تواریخ کے مطالعہ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ تمام انگریز مؤرخین نے ہندوستانی باغیوں کے سیاہ اعمال اور مظالم کو عالم آشکارا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر اس کے مقابلے میں ہندوستانیوں کے مصائب اور ناگفتہ بہ حالت سے ہماری قوم تا حال ناآشنا رکھی گئی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے۔ کہ میں نے اہتمام سے غدر کے متعلق کتابوں سے صرف ایسے واقعات اپنی کتاب کے لئے منتخب کئے ہیں۔ جو ہمارے خلاف جاتے تھے۔ مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ جن واقعات کو میں نے اپنی کتاب میں ترتیب دیا ہے انہیں کسی حد تک بھی غیر معمولی واقعات کہا جا سکے۔ سوائے ان دو واقعات کے جن میں سے ایک میں تو سکھوں کے مظالم کا ذکر ہے اور دوسرے میں مسٹر کوپر (COOPER) کے شدید مظالم بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں پر میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ میں نے مسٹر کوپر (COOPER) کی کتاب سے بعض سنگین واقعات کو نقل کیا ہے

Marfat.com

لیکن میں نے اُن سے بھی زیادہ شدید اور رنجدہ واقعات کو پھر بھی چھوڑ دیا ہے غدر کے متعلق تقریباً تمام دستاویزیں زبانِ حال سے ہماری زیادتیوں کا اعلان کرتی ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں غدر کے حالات پر دو کتابیں شائع ہوئیں۔ جن میں سے ایک کا نام لارڈ رابرٹس کے خطوط LETTERS OF LORD ROBERTS اور دوسری کا نام MISS SOMERVILLE'S WHEEL TRACK ہے۔ ان ہر دو کتب میں ہماری زیادتیاں بالکل عریاں حیثیت سے ظاہر ہوئی ہیں لیکن دوسری کتاب میں تو مس موصوفہ کے چچا جان کے وہ خطوط بھی شامل کئے گئے ہیں جو بے انتہا خونریزی کے مظہر ہیں۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مس موصوفہ اپنے دیگر ہم قوم ساتھیوں کی طرح غدر کے صحیح حالات سے محض نابلد تھی۔ اگرچہ آپکی اس محنتِ شاقہ کا میں اعتراف کرتا ہوں کہ اُن کی کتاب کے مطالعہ سے میرے جیسے بے انتہا انسانوں کو بہت کچھ واقفیت حاصل ہوئی۔ چونکہ اس ملک میں ہندوستانیوں کے متعلق نہ تو کسی قسم کے رحم کا جذبہ موجود تھا اور نہ ہی ان کو حکومت برطانیہ میں اپنے جیسا شہری تصور کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ دونوں کتابیں طبع ہو گئیں۔ ورنہ دوسری صورت میں انکے شائع ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اور ویسے بھی یہ کوئی اعلیٰ درجہ کا علمی کارنامہ نہیں۔ بلکہ محض بعض واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دیا گیا ہے اور میں بالخصوص لارڈ رابرٹسن کی کتاب میں تو قطعاً کوئی ادبی خوبی نظر نہیں آتی۔

دوسری طرف جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تو اس جنگ کو اور زیادہ ناموافق رنگ میں پیش کر سکتا تھا۔ اگر میری یہی خواہش ہوتی۔ حالانکہ میں نے تو جنرل نیل NEILL کے ان کارناموں کو بالکل چھوڑ دیا ہے جو کانپور کے خونی حادثہ سے بدرجہا زیادہ سنگین تھے۔ نیز ہوڈسن HODSON کی مشہور زمانہ سنگدلی کی کارروائی کو بھی میں نے نہیں چھیڑا۔ اگرچہ میرے پاس عینی شاہدوں کی دستاویزیں موجود تھیں۔ جن میں یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ بے شمار دیہات کو ایسے وقت میں جلا کر خاکستر بنا دیا گیا۔ جبکہ عورتیں، بچے اور بوڑھے گھروں کے اندر موجود تھے۔ لیکن میں نے نہایت رحمدلی سے ان خوفناک واقعات کو اپنی کتاب سے علیحدہ رکھا۔

Marfat.com

نوٹ:۔ میں آجتک یہ نہیں سمجھا کہ ہوڈسن HODSON کے واقع کو اتنی بدنامی کیوں نصیب ہوئی۔ کیا اس کی یہ وجہ تھی کہ مقتول شاہزادے تھے یا اس لئے کہ وہ خود اپنی فوج میں ہردلعزیز افسر نہیں تھا۔ بہرحال اس افسر کے اس مذموم فعل کی حماقت میں تو پھر بھی کسی قدر کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے بدرجہا زیادہ سنگین مظالم کے واقعات موجود ہیں۔ جو ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں اور دنیا ان سے قطعاً لاعلم ہے مگر ہم ان کو حق بجانب قرار دینے کیلئے اپنے پاس ایک لفظ بھی نہیں پاتے۔

یہاں پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے جتنے واقعات قلمبند کئے ہیں ان میں سے ایک بھی تو کسی ہندوستانی قلم یا زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے۔ مزید برآں میں نے شاذ و نادر ہی کوئی ایک فقرہ "وحشت و بربریت کی آماجگاہ" اپنے انگریزی اخبارات یا اس سے کم درجے پر اپنے ملک کے اخبارات سے نقل کیا ہوگا۔ اس لئے جو کچھ اس وقت انہوں نے کہا یا لکھا۔ وہ ہمارے اسلاف کی طرح اب نابود ہو چکا اور موجودہ زمانہ کے لئے مناسب بھی یہی ہے کہ وہ ان تحریرات کو بھول جائے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تلخ اور رنجدہ واقعات خاموشی سے برداشت نہیں کئے جا سکتے۔ اس کہ ایک پوری قوم کے دماغ اس وقت تک بھی ان کی یاد سے آتش زیر پا ہیں۔

(۲)

جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ غدر کا اثر جنوبی ہند میں بہت کم ہوا۔ اور نہ ہی آجتک بنگال اس حد تک متاثر ہوا۔ لیکن باوجود اس امر کے کہ بنگالی ہمارے مفروضہ ملازمین اور حلیف کی حیثیت میں شمال مغربی صوبوں میں باغیوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے۔ پھر بھی ہر سال غدر کی تلخ یادوں میں کچھ اضافہ بھی ہو رہا ہے چنانچہ بہار سے لیکر سرحد کے آخری کنارے تک انگریزوں اور ہندوستانیوں کے دماغوں میں غدر کی یاد ہنوز زندہ ہے جس کی وجہ سے ہر دو اقوام کے خیالات اور تعلقات پر گہرا مخالف اثر پڑتا ہے۔ میرے ایک دوست نے کافی عرصہ جنوبی ہند میں مقیم رہنے کے باوجود جب غدر کے علاقوں کا دورہ کیا تو مجھے بتایا کہ کس طرح دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے ان تمام مظالم کو سنا جب اس بدترین دور کی تمام صعوبتیں

اور کلفتیں اس کے سامنے بیان کی گئیں جن کو سنکر اُسے بیحد صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کی تلخ یاد محو نہیں ہوئی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ سختی اور تیزی کیساتھ ہندوستانیوں کو اس وقت بے چین کر رہی ہے۔ دوسری طرف ہندوستان میں مقیم یورپین قوم غدر کے بعد سے اس درجہ خائف ہوگئی ہے کہ نہایت معمولی سے اشتعال انگیز واقعہ سے بھی بھڑک اٹھتی ہے۔ چنانچہ اس کے دُور بین اور محتاط افراد فی الفور مارشل لاء کے نفاذ کی ضرورت پر علانیہ زور دینا شروع کر دیتے ہیں۔ غدر کا نام آتے ہی یورپین قوم کے تصور میں بے شمار وحشی انسانوں کے بھوت بے پناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا بڑھا کر سامنے آجاتے ہیں۔ جس سے وہ اس حد تک متاثر ہوتے ہیں کہ عقل و خرد کھو کر ایسی عجیب و ناشائستہ حرکات کرنے لگجاتے ہیں جسطرح ایک دیوانہ مریض بے قابو ہوجاتا ہے جسے دماغ اور ہوش دونوں نے جواب دیدیا ہو چنانچہ ایسی حالت میں خواہ مخواہ اس سے ہمدردی اور رحم کرنے کو دل چاہتا ہے مگر باایں ہمہ یوروپین قوم نے اس معاملہ میں اس سے بڑھکر بُری حرکات کیں۔ ہمیں بارہا یہ بتایا گیا ہے کہ بائیسکوپ کے پردے پر اگر متشددانہ جرائم کے افسانوں کی تصاویر دکھائی جائیں تو دیکھنے والوں کے دماغوں پر ایک خاموش اور کمزور سا خواب آور اثر ایسا ہوتا ہے کہ جس سے دماغ کے اخلاقی قوائے بیکار ہوجاتے ہیں اور خود بخود دیکھنے والے کا دل بھی ویسے ہی قبیح اور خطرناک جرائم کرنے کی طرف رغبت کرتا ہے چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ غدر کا ڈرامہ جس پھرتی اور بلند آہنگی سے کھیلا گیا ہے تو یہ اُسی کا اثر تھا کہ انگریزوں سے ایسی مکروہ اور ناز یبا حرکات سرزد ہوئیں جنکی ایک عام صحیح الدماغ انگریز سے ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ بنابریں اسکو ثابت کرنے کے لئے مَیں ذیل میں تین مثالیں پیش کرتا ہُوں جن سے یہ بخوبی واضح ہوجائیگا کہ ایک صحیح الدماغ انسان سے کبھی ایسی حرکات کی توقع نہیں ہوسکتی ؎

(۳)

۱۴۔ جنوری ۱۸۷۲ء کو ایک سو کے قریب سکھ مذہبی دیوانوں نے پنجاب کے ایک شہر مالیر کوٹلہ پر حملہ کیا۔ جس کے بعد کی تفصیل ایک انگریز مؤرخ کے قلم سے ذیل میں مدرج

Marfat.com

کی جاتی ہے۔

"اس مقام پر نہایت ہی خوفناک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں فریقین کا بہت نقصان ہوا۔ بالآخر چھیاسٹھ (۶۶) کے قریب سکھ جن میں بائیس (۲۲) کے قریب زخمی تھے۔ ریاست پٹیالہ میں بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ جہاں پر ان کا محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا گیا اور اُس رات انہیں شیر کوٹ کے قلعہ میں بند رکھا گیا۔ اس شکست کے ساتھ ہی پنجاب میں کوکوں کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسٹر کوون KOWAN نے جو اُن دنوں میں لدھیانہ کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ ۱۶ جنوری کو ریاست کے حکام کو لکھا کہ قیدیوں کو مالیر کوٹلہ بھیج دیا جائے۔ جہاں کہ وہ خود بھی اُسی دن پہنچ گیا۔ اور اُسی دن شام کے وقت اس نے اپنے قریبی افسر یعنی کمشنر علاقہ کو رپورٹ کی کہ تمام باغیوں کو تقریباً نیست و نابود کر کے مکمل امن قائم کر دیا گیا ہے نیز یہ کہ میرا ارادہ ہے کہ گرفتار شدہ باغیوں کو کل توپوں سے باندھ کر اُڑا دیا جائے لیکن دوسرے دن دوپہر کے وقت یعنی ۱۷ جنوری کو اُسے مسٹر فورستھ FORSYTH کمشنر کا یہ پیغام پہنچا کہ ابھی قیدیوں کو شیر کوٹ کے قلعہ میں ہی رکھا جائے جب تک کہ ایک حفاظتی دستہ اُن کو واپس لانے کیلئے لدھیانہ سے نہ بھیج دیا جائے۔ مسٹر کوون COWAN کہتا ہے کہ میں نے اس تحریری حکم کو تو جیب میں ڈال کر تقریباً فراموش کر دیا اور قیدیوں کا منتظر رہا۔ چنانچہ شام کے چار بجے کے قریب کوکے قیدی مالیر کوٹلے میں پہنچائے گئے جنہیں دیکھتے ہی مسٹر کوون COWAN نے بغیر کسی قسم کی نمائشی عدالت سے حکم لینے کے فی الفور توپوں سے باندھ کر اُڑا دینے کا حکم دے دیا۔ ان بدقسمت انسانوں کی تعداد پچاس تھی جن کو اُسی وقت چھ چھ کی ٹولیاں بنا کر توپوں سے باندھ کر اُڑانا شروع کر دیا گیا۔ شام کے سات بجے کے قریب آخری چھ قیدیوں کی ٹولی کو توپوں سے باندھ چکے تھے۔ جب مسٹر فورستھ FORSYTH کا یہ حکم پہنچا کہ قیدیوں کو فی الفور اُس کے پاس لدھیانہ بھیج دیا جائے جہاں کہ اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلایا جائیگا۔ چنانچہ مسٹر کوون COWAN نے جو جواب گورنمنٹ کو بعد میں دیا اس میں اس حکم کے متعلق اس نے ذیل کے فقرات لکھے کہ "میں نے اس حکم کو چھلہ کاغذ مسٹر پرکینز PERKINS کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ توپوں کے ساتھ باندھ دئے جانے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ ایسی حالت میں قیدیوں کی سزائے موت

Marfat.com

ملتوی کردی جائے۔ کیونکہ اسکا اثر ہمارے اردگرد جمع شدہ لوگوں پر بہت بُرا پڑیگا"
چنانچہ پہلے تینتالیس (۴۳) قیدیوں کی طرح آخری چھ قیدیوں کو بھی ہلاک کردیا گیا۔ پچاسوں
(۵۰) آدمی بھی اسی طرح اُڑا دیا جاتا مگر اُس نے کسی طرح حراست کے سپاہیوں سے مخلصی
حاصل کرکے مسٹر کوون COWAN پر حملہ کردیا اور اس کو داڑھی سے پکڑ لیا۔ مگر ہندوستانی
افسروں کی سنگینوں نے اُسی وقت اُس کو وہیں ختم کردیا جو وہاں پر موجود تھے۔ یہ سرگزشت
ہے اُس واقعہ کی جس میں مسٹر کوون COWAN نے اتنی سرگرمی کا اظہار کیا۔ چونکہ مسٹر فورسیتھ
FORSYTH نے بار بار اس امر پر زور دیا تھا کہ باغیوں کو سزا دینے سے پہلے ان کو
عدالت کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے اس لئے ۱۷۔ جنوری کو اس نے گورنمنٹ کو بذریعہ
تار اطلاع دی کہ "مَیں موقع پر موجود ہُوں اس لئے قاعدے اور قانون کے مطابق بغیر مزید
تاخیر کے مجرمین کو قرار واقعی سزا دیدی جائے گی۔ اس وقت کسی غیر معمولی قدم کے اٹھانے
کی مطلقاً ضرورت نہیں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ دبا ہُوا جوش پھر عود نہ کر آئے"۔ لیکن ۱۸ جنوری
کو جب مسٹر کوون COWAN نے اِس خوفناک حادثہ کی تفصیل سے آگاہ کیا جس میں اس نے
اس قدر یادگارِ زمانہ شجاعت کا اظہار کیا تھا تو کمشنر صاحب نے ذیل کے جواب سے
اپنی خوشنودی کا اظہار کیا "اِس قضیئے کو نپٹانے کے لئے جو قدم آپ نے اٹھایا
ہے مَیں اُس کی پُوری تصدیق کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے اِس معاملہ میں پُوری
قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے مَیں بھی فی الفور موقع پر پہنچتا ہُوں"۔ چنانچہ آپ
مالیر کوٹلہ پہنچے اور مفروضہ قانون کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے باقی ۱۶۔ قیدیوں کو بھی
پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ جو اُسی وقت پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

جب اِس روح فرسا حادثہ کی اطلاع گورنمنٹ کو پہنچی تو اس نے مکمل غور کے بعد ذیل کی
قرارداد کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کیا:۔

"ہز ایکسلنسی اور ممبران کونسل اِس رنجدہ حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں
کہ اُن کی رائے میں مسٹر کوون COWAN کا طرزِ عمل نہ صرف سراسر قانون
کے خلاف تھا بلکہ پبلک ضرورت کے بھی منافی تھا۔ نیز اس تمام واقعہ میں بعض
ایسے حوادث پیش آئے ہیں جنہیں انسانیت اور تہذیب کے ساتھ دُور کا بھی

Marfat.com

تعلق نہیں ہے

[illegible] اب [illegible] دلی رنج کے ساتھ اس [illegible] مجبور ہوئے ہیں کہ مسٹر [illegible] COWAN کو [illegible] دوسری طرف [illegible] FORSYTH کے طرز عمل پر [illegible] ایک اور صوبے [illegible] کی حیثیت [illegible] کے بعد یار قند کے [illegible] پولیٹیکل خدمت [illegible] میں سرداری [illegible] (KNIGHTHOOD) کا خطاب [illegible] گیا

اس حادثہ کے [illegible] کے بعد ہندوستان [illegible] تقسیم ہو گئی [illegible] انڈین کی ہمدردی [illegible] FE [illegible] لیکن باوجود [illegible] روا رکھا گیا تھا [illegible] تمام ملازمت [illegible] نہیں [illegible] موجود ہیں جو میر [illegible] اس واقعے کا [illegible] کے اسس [illegible] ہا لے

سر ہنری کاٹن (SIR [illegible] COTTON) [illegible] ظاہر کیا ہے وہ [illegible] لیکن [illegible] فیصلہ کو شک [illegible] کہ سر ڈگلس فورسیتھ (SIR DOUGLAS FORSYTH) کی [illegible] چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :

[illegible] ہندوستانی ریاستوں کے [illegible] سزائے موت دینے [illegible] COWAN کو چنانچہ

ا۔ COTTON, INDIA AND [illegible] MEMORIES

Marfat.com

مَیں نے لودھیانہ سے اُس کو صاف طور سے حکم بھیجدیا تھا کہ وہ صرف مجرموں کا قانونی طور پر مقدمہ کرے۔ لیکن سزا اُس وقت تک ہرگز نہ دے جبتک کہ مَیں خود وہاں پر پہنچ نہ جاؤں مگر مسٹر کوون COWAN نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر نہ صرف میرے حکم کے ماننے سے انکار کردیا بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیدیا کہ وہ ملزموں کو توپوں سے باندھ کر اڑا دیں"

"مسٹر کوون COWAN کی طرف سے جب مجھے یہ اطلاع ملی تو مَیں نے اُس تمام قانونی خلاف ورزی کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینی پسند کی۔ بنابریں مَیں نے اُسکو فی الفور ایک خط لکھا کہ بحالاتِ موجودہ تم نے جو قدم اٹھایا ہے مَیں اُس کی تصدیق کرتا ہوں"

"جس وقت کہ وہ ملازمت سے سبکدوش کردیا گیا تو مَیں نے حتی الامکان اس کی امداد کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ چنانچہ مَیں نے ہندوستان میں ہی اُسے ایک اچھی ملازمت پر نوکری دیدی" ۵ے

مالیر کوٹلہ کا حادثہ فاجعہ بھی اُن کثیر حوادث میں سے ایک ہے جن میں خصوصیت کیساتھ اگرچہ اینگلو انڈین اخبارات نے ایسے حوادث کے حق میں نہایت بلند آہنگی سے مضامین لکھے لیکن اِس کے باوجود گورنمنٹ انڈیا نہایت مجبوری اور بیدلی کے ساتھ ہندوستانی رائے عامہ کے سامنے جھکی اور اُسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے افسران سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ مزید برآں غدر کے چودہ سال کے بعد گورنمنٹ نے بادلِ ناخواستہ اِس امر کو تسلیم کیا کہ انسانوں کو توپوں سے باندھکر ہلاک کرنا ایک وحشیانہ فعل ہے مگر مفروضہ عدالتی کارروائی کے بغیر بیشمار انسانوں کو اِسطرح بیدردی سے ہلاک کردینے کی کارروائی بھی صرف پنجاب کا ہی خاصہ ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی معمولی جرائم پر "فی الفور دہشت انتقامی کارروائی" کرنے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا رہا ہے جسکو یہاں کے حکام نے ہمیشہ پسند کیا اور بیحد تعریف کی جسطرح ہم ان مظالم کی سرگذشت سُنکر جو فرانس اور پرشیا کی لڑائی میں روا رکھے گئے تھے" لستہ فذنیپولین" کو ہی ان مظالم کا ذمہ دار گرداننے میں حق بجانب ہیں تو اسی طرح پنجاب کے اس ہولناک

۵ے AUTOBIOGRAPHY AND REMINISCENCES OF SIR DOUGLAS FORSYTH, P. 36, 37, 42.

Marfat.com

حادثہ کو بھی غدر کے اُس "پستہ قد کلسن" کے افعال اور مظالم کا نتیجہ قرار دینے میں زیادہ مجبور نظر آتے ہیں۔

(۴۷)

مَیں قارئین کرام کو افغانستان کی دوسری لڑائی کی الجھی ہوئی سرگذشت سُنانا نہیں چاہتا۔ لڑائی کچھ عرصہ کے لئے بند ہوگئی اور ایک عہدنامہ کی رُو سے سر لوئی کیوگیناری (SIR LOUIS CAVAGNARI) کو ہمارے سفیر کی حیثیت سے کابل میں متعین کیا گیا۔ اگرچہ اسکی سلامتی کے متعلق لارڈ لارنس (LORD LAWRANCE) کو اطمینان نہ تھا۔ چنانچہ یکایک یہ اطلاع ملی کہ ہمارا سفیر اپنے تمام ساتھیوں کے سمیت قتل کر دیا گیا۔ اور ریذیڈنسی کے مکان کو جلا دیا گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی لارڈ رابرٹس ROBARTS نے پھرتی کے ساتھ فوج کو کوچ کا حکم دیدیا۔ اور اکتوبر میں کابل پر قبضہ کر لیا۔ شجاعت اور تدبر کی یہ ایسی نرالی مثال ہے جو دنیا میں آج بھی ویسی ہی چمکتی ہے۔ قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کے قتل اور جھنڈے کی بے عزتی کی بنا پر سخت انتقامی کارروائی شروع کی گئی۔ جسکی تفصیل مندرج ذیل ہے :۔

"فوجی قانون یعنی مارشل لا کا فی الفور اعلان کیا گیا اور لوگوں کی ٹولیاں بنا کر دھڑا دھڑ پھانسیاں دینی شروع کر دی گئیں اور ساتھ ہی امیر یعقوب خان کو ہندوستان میں جلا وطن کر دیا گیا۔ فصلوں کو بیدردی سے تباہ کیا گیا اور دیہات کو بیدریغ آگ کی نذر کیا گیا۔"[1]

"مَیں کسی کو بھی اُس وقت تک مجرم قرار دینے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا۔ جبتک جُرم کے یقین میں ثبوت نہ مِل جائے حالانکہ وزارتِ خارجہ کا یہ حکم تھا کہ "سزا کم سے کم عرصہ میں سخت اور عبرتناک" دیجائے۔ مگر یہ تو اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب مجرم کے متعلق ہمیں پہلے سے پوری واقفیت حاصل ہو۔ ورنہ ہمیں تو بہرحال سزا دیتے وقت پوری تحقیقات کرنی لازمی ہوگی۔ مَیں تو ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتا کہ بیدریغ قتل و غارت سے ہمیں کوئی فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں اس قسم کی کارروائی میں کبھی امداد نہیں دے سکتا۔"[2]

---

[1] COTTON, INDIAN AND HOME MEMORIES, P. 172. [2] LIFE AND OPINIONS OF SIR SHARLES MACGREGER (ROBERTS CHIEF OF THE STAFF) ii, P. 136, ENTRY IN — ۸۵ — DIARY.

Marfat.com

"۲۲۔اکتوبر۔آج پانچ آدمیوں کی جان بچائی۔یعنی مَیں اگر اُن کے معاملے میں بروقت مداخلت نہ کرتا تو یہ غریب ہلاک کر دیئے جاتے۔ان میں سے ایک ملزم ابوبکر نامی ایک سوداگر تھا جس کے برخلاف سب سے خطرناک مگر بالکل بے بنیاد گواہی اس کے ایک بدترین دشمن کی تھی۔" [1]

"سر ڈانلڈ سٹیوارٹ (SIR DONALD STEWART) کی بجا طور پر تعریف کرنی چاہیئے۔کیونکہ اس نے ہمیشہ اس قسم کے وحشیانہ مظالم کی مخالفت کی تھی۔" [2]

"کابل جو ہمیشہ خونریزی اور بدامنی کیلئے بدنام تھا۔اب شہر خموشاں کیطرح بے حس و حرکت ہے اس لئے کہ پھانسی کا بھوت تمام شہر پر سایہ فگن ہے۔یہانتک کہ اس کے اثر سے وہ بدمعاش بھی نہیں بچ سکے جو شہر کے تنگ و تاریک گوشوں میں پناہ گزین ہو کر اپنے آپکو محفوظ سمجھا کرتے تھے۔پٹھانوں کو قتل و غارت کی جرأت محض اس بھروسے پر ہوئی کیونکہ وہ اس سے پیشتر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہم فطرتاً رحمدل ہیں۔لیکن جدید دُرشت پالیسی کے زیر اثر انتقام لینے کے جو ہولناک طریق ہم نے اختیار کئے ہیں۔ان سے اُن کی آنکھیں کھُل گئی ہیں۔جنرل پُولک POLLOCK کی طرح اگر جنرل رابرٹس ROBERTS چاہتا تو تمام بازاروں کو ویران کر کے کابل کو اسکی قسمت پر چھوڑ دیتا۔لیکن خواہ ہم کابل سے واپس جائیں یا یہیں پر قابض رہیں۔یہ ناممکن ہے کہ عرصۂ دراز تک ہمارے جلادوں کے افسانے دیہات اور شہروں میں بسنے والے پٹھانوں کی یاد سے محو ہو جائیں مزید براں ابھی کون کہہ سکتا ہے۔کہ اور کتنے بڑے بڑے آدمی پھانسی کے تختے کا انتظار کر رہے ہیں۔" [3]

"پھر اسکا کیا نتیجہ نکلا۔یہی کہ اشتعال اور غصہ سے بھڑکے ہوئے قبیلوں نے ہزاروں کی تعداد میں اعلانِ جنگ کر دیا اور آناً فاناً چاروں طرف سے تباہی اور بربادی کے بادل گھِر گئے۔گو اس تاریکی میں شجاعت اور دلیری کے روشن کارنامے بھی سرزد ہوئے لیکن لارڈ رابرٹس ROBERTS نے کابل کے نواح میں موضع شیر پور میں اپنے آپکو نہایت ہی خطرناک حالت میں محصور پایا۔"

---

[1] MACGREGER, ii, P. 140-141, [2] COTTON, P. 172.

[3] THE AFGHAN WAR 1879-80, P. 139. BY HOWARD HENSMAN CORRISPONDENT PIONEER (ALLAHABAD) THE DAILY NEWS (LONDON)

[4] COTTON, P. 172.

Marfat.com

"سر چارلس میکریگر SIR CHARLES MACGREGER نے اپنے زیر اہتمام افغانستان کی دوسری لڑائی کے متعلق ایک بڑی ضخیم کتاب کو ترغیب دینے کا اہتمام کیا جو چھ جلدوں میں تیار ہوئی۔ لیکن گورنمنٹ ہند کے حکم سے اسکی اشاعت روکدی گئی۔" لے

یہ اخبار نویس جس کے مضمون کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ حسب معمول بعض مشہور نویسوں کے مقابلہ میں زیادہ تند خو ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اُس نے اس مضمون کے آخر میں یہ پیشگوئی بھی کردی تھی۔ کہ کابل کے واقعات کے خلاف انگلستان کے "احمق اور جاہل طبقہ" کی طرف سے یقیناً مخالفت کی جائیگی۔ جو بعد میں حرف بحرف صحیح ثابت [illegible] اعتراض جو اس مضمون کے دوران میں مجھے کھٹکا تھا۔ یہ ہے کہ [illegible] ایک خاموش مگر دغا باز دشمن ثابت ہوا ہے۔"

غدر سے مغلوب شدہ دماغ کی پراگندگی [illegible] ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ کا حادثہ ہے جسکی تیس ہز[illegible] ہو رہی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ ضروری ہے [illegible] کی حالت کا بغور مطالعہ کیا جائے کہ وہ اس وقت کس قدر خطرناک مشکلات [illegible] تھا۔ اگرچہ آج سے ساٹھ سال پہلے امرتسر مسٹر کوپر COOPER کے سنگدلانہ مظالم [illegible] چکا تھا۔ پھر بھی اُسوقت یہ شہر سکھوں کی مذہبی دیوانگی اور حب الوطنی کا مرکز تھا چنانچہ عام بے اطمینانی اس حد تک فروغ حاصل کر گئی تھی۔ کہ اس پر کوئی قابو نہ رہا تھا۔ یہانتک کہ عام پبلک نے نہایت وحشیانہ قتل کا اقدام کیا۔ اور ابھی اور ایسی ہی مذموم حرکات کرنے پہ تُلی ہوئی تھی۔ مزید برآں اُنہوں نے عیسائی لڑکیوں کے سکول میں آگ لگادی مگر اتفاق سے غریب بچیوں کی جانیں آگ کی نذر نہ ہو سکیں لیکن دوسری طرف باغ میں جلسے کا انعقاد اس غرض سے عمل میں نہیں لایا گیا تھا۔ کہ وہاں پر امن اور سکون سے کسی متنازع فیہ مسئلہ کا حل تلاش کرنا تھا۔ اور نہ ہی وہ غیر مسلح تھے۔ سوائے اس حالت کے کہ اُن کے پاس بندوقیں وغیرہ نہیں تھیں عوام میں اکثر تو لاٹھیوں سے مسلح تھے اور بعض تو بڑے بڑے لٹھ اُٹھائے ہوئے تھے جن سے

لے DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY.

Marfat.com

عام طور پر ہندوستانی کسان اپنی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ اِنہی اوزاروں سے انہوں نے بعد میں قتل و غارت شروع کی۔ جنرل ڈائر چھوٹے سے فوجی دستے کو لیکر جلسہ گاہ میں پہنچا اور انسانوں سے بھرے ہوئے نشیبی قطعہ میں فی الفور گولی چلانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ دس منٹ کے اندر اندر اُس نے انسانوں کی اِتنی تعداد کو ختم کردیا جتنی کہ جنوبی افریقہ میں سپی این کوپ (SPION KOP) کی خونریز ترین لڑائی میں دو دن کی مسلسل اور پیہم جنگ کے بعد ضائع ہوئی تھی۔ یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فوجی ضرورت کے لحاظ سے اُسکا یہ فعل صحیح نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اُس وقت تک گولی چلاتا رہا جبتک کہ بارود ختم نہیں ہوگیا۔ یعنی اس نے اُس سنجیدہ امانت کا جو اُس کے سپرد کیگئی تھی۔ نہایت بُری طرح استعمال کیا۔ چنانچہ اپنی شہادت کے دوران میں اُسکا یہ مقصد تھا کہ وہ ایسی سخت کارروائی کرے جس سے لوگوں میں ہیبت پھیل جائے اور دُور دُور تک اُسکا اثر پڑے۔ اگرچہ اِس شہادت سے اُس نے اپنے ساتھ خود دشمنی کی ہے اور کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کوئی اُسکے حق میں ایک لفظ بھی کہہ سکے۔ مگر پھر بھی جس بیخوفی اور دیانتداری سے اس نے شہادت دی ہے اس کیلئے اس کی خواہ مخواہ تعریف کرنی پڑتی ہے۔ لیکن زخمیوں کو بغیر طبّی امداد کے پڑے رہنے دینا اور ایک ایسی جگہ کو لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے دیکھکر بھی رات بھر لوگوں کی امداد سے بند کر رکھنا ایسا دردناک منظر ہے۔ جسپر اس وقت بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ آگے چلکر اظہارِ خیال کرونگا۔

لیکن اِس وقت تو ہمارا مبحث یہ ہے کہ جو کارروائی ہم نے جلیانوالہ باغ میں کی۔ یا اِس کے بعد جو شور و ہنگامہ انگریزوں نے برپا کیا۔ اُس کی تہ میں وُہی جذبۂ انتقام نظر آتا ہے۔ اور ہمارے دماغوں پر وُہی کیفیت طاری ہے جو حادثۂ کانپور کی خبر سُننے کے بعد یا باغیوں کے ہاتھوں انگریز مستورات کی بے حرمتی کی بے بنیاد اطلاعات پہنچنے کے بعد ہوئی تھی۔ یعنی ہم توازنِ دماغ کھو بیٹھے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی ہماری حالت بعینہٖ یہی تھی۔ یعنی خطرے سے عہدہ برا ہونے کیلئے ہم نے فی الفور وُہی سنگدلانہ حرکات کرنی شروع کردیں۔ جو غدر کیوقت مؤثر ثابت ہوئی تھیں۔ چنانچہ پندرہ منٹ کے اندر اندر جلیانوالہ باغ میں پندرہ سو (۱۵۰۰) انسانوں کو ختم کردیا گیا۔ حالانکہ ہندوستانی تو

Marfat.com

یہ دعوٰے کرتے ہیں کہ مقتولین کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ تھی مگر یہ وہ تعداد ہے جسے سرکاری طور پر پبلک تحقیقات کے وقت تسلیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکاری افسران کے دماغ اپنے ہمعصر فوجی افسر کے اس وحشیانہ فعل سے حواس باختہ ہوگئے تھے۔ لیکن اسکے باوجود وہ اس کو حق بجانب کہنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ اس امر کی پوری کوشش کیگئی کہ اس ہولناک خبر کی اشاعت نہ ہوسکے مگر وہ ناکام رہے اور یہ خبر بجلی کی رَو کی طرح ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچی یہانتک کہ تیس کروڑ ہندوستانیوں کو تڑپا کر ایک ہستی دہ من ذیر کھڑا کردیا۔ یہ ایک ایسا زبردست نتیجہ ہے جو ہزار سال سے ہندوستان میں کبھی ۔۔ نہ ہُوا تھا۔ اور ویسے بھی یوربین قوم کے لئے ایک نہایت ہی زبردست خطرہ ہے۔ دوسری طرف ہنٹر کمیٹی HUNTER COMMITTEE کی مستقل رپورٹ شائع ہونے کے بعد اینگلو انڈین اخبارات میں بے انتہا گمنام چٹھیاں شائع کرکے اس رپورٹ سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ جنرل ڈائر DYER کی حُسن خدمات کے صلے میں تیس ہزار پونڈ کی رقم انگریزی قوم سے چندہ کرکے جمع کیگئی۔ جسکا بیشتر حصہ ہندوستان میں مقیم انگریزوں کی جیبوں سے فراہم کیا گیا تھا۔ یقیناً اس وقت بھی ایسے یوربین ہندوستان میں موجود ہونگے جنہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ اس ذلیل ذہنیت کا اظہار کرکے انکی قوم نے نہ صرف اپنے آپکو بیوقوف بنایا ہے بلکہ دنیا کی نظر میں ذلیل و رسوا کیا ہے۔

(۶)

اگر ہمیں بہتر تعلیم نہ دی گئی تو ہم اسی طرح معمولی سے اشتعال پر بھی دنیا کی نظر میں بیوقوف بنتے رہینگے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم نے جنرل ڈائر DYER کی اس مذموم حرکت کے خلاف نفرت وحقارت کی آواز بلند کرنے کے حق کو زائل کردیا ہے۔ کیونکہ اجتماعی حیثیت میں ہم سب ذمہ دار تھے۔ وہ ہمارا نمائندہ تھا۔ اور ہمارے مقابلے میں زیادہ دلیر اور کم بیوقوف تھا۔ لیکن اُس کے اس طرزِ عمل کے ذمہ دار براہِ راست وہ خیالات تھے جو ہندوستانیوں کے متعلق غدر کے بعد سے ہم نے اپنے اسلاف سے وراثت میں حاصل کئے تھے۔ یعنی کوپر COOPER اور کوون COWAN کے بھوت یقیناً اُسوقت جلیانوالہ

Marfat.com

باغ کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔

مجھے سخت تعجب ہوگا۔ اگر ان واقعات کے مطالعہ کے بعد بھی ناظرین میرے ساتھ اس امر میں متفق نہ ہونگے کہ غدر کے متعلق جو حالات ہماری تواریخ میں قلمبند کئے گئے ہیں ان پر نظر ثانی کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اگر کوئی چیز اُن کی کامل تشفی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان تمام واقعات کے بیان کرنے میں ایک دوسرے کی تردید تو نمایاں طور سے دکھائی دیتی ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ صرف کانپور یا میرٹھ کے خُونی واقعات کے جوش کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ناظرین جو عام حالات میں واقعات کو تنقید کی عینک سے پرکھنے کے عادی ہُوا کرتے ہیں۔ غیر محسوس طور سے متاثر ہو کر اُنہی بیانات کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں خواہ اُن میں کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو۔ یا واقعات کو توڑ مروڑ کر ہی پیش کیا گیا ہو بلکہ اکثر دفعہ تو وہ ایسے معمولی سوالات سے بھی گریز کرتے ہیں جنپر ایکدو سیکنڈ کے غور سے پیشکردہ بیانات کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔ بہرکیف جب وقتی جوش کے سحر کا اثر زائل ہو جاتا ہے تو دماغ اُن حوادث کی خفیف سی یاد پر بھی منصفانہ غور و خوض کے لئے آمادہ ہُوا کرتا ہے بشرطیکہ خیال اور عمل کے قوائے ہمیشہ کے لئے شل اور بیکار نہ ہو چکے ہوں۔ غدر کو گذرے ہوئے ابھی ستر (۷۰) سال ہوئے ہیں۔ لیکن اِس قلیل مدت میں بھی گو اِس موضوع پر بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پھر بھی اِس کو اس حد تک صاف بیانی اور تحقیق سے پبلک کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ بخلاف اُن واقعات و حوادث کے کہ جنکو گذرے ہوئے صدیاں ہو چکی ہیں۔

غدر کے بہادروں میں ایک قسم کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جان نکلسن JOHN NICHOLSEN سے مجھے ایک گونہ فریفتگی تھی۔ اس لئے میں نے اسکی زندگی کے حالات مصنفہ ٹراٹر TROTTER کا مطالعہ کیا۔ جسے اب بھی بیشتر اصحاب پڑھتے ہیں۔ اس کتاب میں کسی زندہ انسان کو پیش نہیں کیا گیا بلکہ ایک "رواجی بزرگ" کی تصویر دکھائی گئی ہے جو ایک معمولی مصور کی شرمندۂ احسان ہے۔ اِس کتاب سے زیادہ خشک اور بے رغبت کتاب شائد ہی کسی اور زبان میں لکھی گئی ہو۔ بایں ہمہ جان نکلسن JOHN NICHOLSON زندہ تھا لیکن اسکی دوسری خوبیوں یا بُرائیوں سے قطع نظر کر کے

Marfat.com

کم از کم اتنا تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ احمق نہیں تھا۔ اس کی سوانح کے مطالعہ سے دل میں ایک طرف تو پُرجوش محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے جو ایک قسم کی والہانہ پرستش تک پہونچ جاتے تھے۔ مگر دوسری طرف غم و غصہ کی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ اُس کی وفات ایسے وقت میں ہوتی ہے۔ جبکہ مغلوں کی قسمت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اور ایسے وقت میں اُس نے جان دی جبکہ ایک طاقتور شہر اپنی جملہ روایات کے ساتھ اُس کے قدموں کے نیچے آرہا تھا۔ وہ ایک بجلی کی مانند چمکا اور دنیا نے اُس کی کڑک اور روشنی کو دیکھا لیکن تھوڑے ہی وقفہ کے بعد فتحیاب جرنیل تو مُردہ تھا۔ اگرچہ اپنے پیچھے وہ شاندار ریکارڈ چھوڑ گیا تھا سر جارج فاریسٹ SIR GEORGE FOREST کی طرح یہ کہنا تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ جان نکلسن انیسویں صدی کے دلیر افسران میں سے نہیں تھا۔ بلکہ شاہ آرتھر ARTHER کے "مشہورِ زمانہ بہادر سرداروں KNIGHTS" کے مشابہ تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سر جارج کیمپبل SIR GEORGE CAMPBELL اپنے مخصوص اور محتاط طریقے میں جان نکلسن کا جو خاکہ پیش کرتا ہے وہ زندہ انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

"اگرچہ ذاتی طور پر میں اُس سے شناسا نہیں تھا لیکن یہی خیال کیا کرتا تھا کہ وہ نہ صرف ایک مضبوط اور بہادر انسان ہے بلکہ اپنے بعض افعال میں تشدد کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ چنانچہ ان حالات کے علم حاصل کرنے کے بعد جو اُس کے مداحوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں ہمیں لامحالہ اب یہی کہنا پڑتا ہے کہ وہ بہت ہی تُند خو انسان تھا۔ باسورتھ سمتھ (BOSWARTH SMITH) نے لارڈ لارنس (LAWRENCE) کی سوانح حیات قلمبند کرتے وقت اگرچہ جان نکلسن (JOHN NICHOLSON) کی بے انتہا تعریف کی ہے۔ مگر اس کے بیان کردہ واقعات اس تعریف کے بالکل خلاف جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات تو یقینی طور پر مسلّم ہے کہ وہ بہت سرکش اور گستاخ تھا یہاں تک کہ وہ نہایت نازیبا طریق سے لارڈ لارنس (LAWRENCE) تک سے بھی گستاخی سے پیش آیا" [1]

"نکلسن اور اس قماش کے اور سرکش اور گستاخ آدمیوں نے لارڈ لارنس LAWRENCE کی

[1] CAMPBELL, I, P. 248, 249.

Marfat.com

شان میں "بوڑھی عورت" کے آوازے کسے " [1]

کیمپبل (CAMPBELL) نے نکلسن (NICHALSON) کی شہرت کے متعلق روایات پر جس نفرت کا اظہار کیا ہے۔ وہ مبنی برانصاف نہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اُن کے حق میں شہادت موجود ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکلسن NICHOLSON کی شہرت اور ناموری سے چڑ گیا تھا اور بہت ممکن ہے کہ شاہ آرتھر کے سرداروں والی تمثیل سُننے کے بعد وہ اور زیادہ ہرزہ سرائی کرتا۔ لیکن اسکا یہی تعصب صاف طور سے ظاہر کرتا ہے کہ کوئی غیر معمولی شخصیت بروئے کار تھی۔ جسکی بنا پر اِس قسم کا اظہار کیا گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نکلسن سے ملاقات کے سلسلے میں ہی ناراضگی پیدا ہو گئی۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ غدر کے ایام میں اور اس کے بعد بھی وہ ایسے اشخاص سے مِلتا رہا جو نکلسن سے بخوبی واقف تھے جن میں لارڈ لارنس (LAWREN.E) بھی ایک ہے۔ ناظرین بخوبی جانتے ہیں کہ کھانے اور ٹینس کے بعد گفتگو کا انداز کیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے اشخاص کے ساتھ جنہیں خود بھی غدر کے واقعات سے کافی دلبستگی تھی۔ اور اُن کی وجہ سے نکلسن کو شہرت حاصل ہوئی یقیناً بہت سی گفتگوئیں ہوئی ہونگی جن میں نکلسن کا ذکر کیا گیا ہو۔ جس کی تھوڑی سی جھلک تو سرکاری رپورٹوں میں بھی نظر آتی ہے۔

اسی طرح دوسری مشہور کتب کے مطالعہ سے مشاہیرِ غدر مثلاً نیل NEILL ہیویلاک HAVELOCK اور ہوڈسن HODSON وغیرہ کے متعلق بھی طبیعت پر یہی اثر پڑتا ہے کہ وہ مذہبی گیت نہایت رغبت سے گایا کرتے تھے۔ اور ان کے ماتحت سپاہی ان سے بے انتہا عقیدت اور پرستش کا اظہار کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کے سرکاری کاغذات کے سرسری مطالعہ سے انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان بہادروں کے مشاغل اِس کے علاوہ بھی تھے چنانچہ سر جارج کیمپبل لکھتا ہے کہ:-

" نیل (NEILL) اُن انسانوں میں سے ہے جنہوں نے شہرت اور ناموری کے زینہ تک نہایت ہی بُزدلانہ تشدد کی کارروائیوں سے رسائی حاصل کی ہے۔ اور اُس وقت اُس کی اچانک موت کی وجہ سے اعتراض اور نکتہ چینی روک دی گئی تھی۔ لیکن اب جبکہ اسکا نام

[1] COMPBELL, i, 235.

Marfat.com

قدیم تاریخ میں شامل ہو چکا ہے تو اُن غیر جانبدارانہ اطلاعات کی بنا پر جو مجھے حاصل ہوئیں، نہائت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی خاص خوبی نہیں تھی۔ چنانچہ سلسل سفاکی اور خونریزی کی کارروائیوں کو جسطرح جنرل نیل (NEILL) نے پسند کیا اور لُدھیانہ کی پلٹن کے تلف ہونے میں جس عدم تدبر اور انتہائی ناقابلیت کا ثبوت دیا۔ نیز الہ آباد میں تشدد اور عدم اعتماد کی پالیسی نے فیروزپور کی پلٹن کو تقریباً بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ حالانکہ وہ میرے نزدیک لودہیانہ کی پلٹن کے بعد ایک عزیز اور قابلِ قدر پلٹن تھی۔ متذکرہ صدر ناعاقبت اندیشانہ حرکات، ایسی ہیں جنکی بنا پر جنرل نیل کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔" [1]

(۷)

وہ دن دُور نہیں جب ہماری خواندہ پبلک کے سامنے غدر کے صحیح اور مستند حالات پیش کئے جائیں گے جو سابقہ تواریخ کی طرح محض پراپیگنڈا کی خاطر مرتب نہیں ہونگے کہ جس سے پڑھنے والے کے دماغ میں انگریز تو فرشتۂ رحمت کی طرح ظاہر ہوں اور ہندوستانی ظلمت وجہالت کے پیامبر بتلائے جائیں۔ اگرچہ ہمارے بعض مورخین نے جھانسی کی رانی کے حالات قلمبند کرتے ہوئے دبی زبان سے اسکی بہادری کے کارناموں کا ذکر کیا ہے باغی افسران میں سے مہارانی غالباً سب سے زیادہ بہادر اور قابل تھی۔ یہانتک کہ سر ہیوروز SIR HUGH ROSE جس نے رانی صاحبہ کو شکست دی تھی۔ اُس نے بھی مہارانی کے حق میں تعریفی جُملے استعمال کئے ہیں۔ جس بہادری اور شجاعت سے مہارانی صاحبہ ہمارے خلاف لڑی۔ یہانتک کہ میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے جان دیدی۔ ہندوستانیوں کے نزدیک مہارانی لکشمی بائی یا جھانسی کی رانی ویسی ہی مقبول اور معزز ہے جیسی کہ جون آف آرک (JOAN OF ARK) فرانسیسیوں کے نزدیک۔ چنانچہ ایک دن یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے بے نقاب ہو جائیگی جس سے ہم بخوبی سمجھ سکینگے کہ وہ حالات کیا تھے جنکی بنا پر مستورات اور بالخصوص ہندوستانی مستورات کے دلوں میں ہماری قوم کے خلاف اس قدر شدید نفرت وحقارت کا جذبہ کیوں پیدا ہوا جس نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ ہمارے خلاف مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں نکل آئیں۔ صرف جھانسی کی رانی اور

[1] CAMPBELL, i, 281, 282.

Marfat.com

اُسکی بہن نے ہی ہمارے خلاف غدر میں حصہ نہیں لیا بلکہ اُن کے علاوہ اَور بھی مستورات اس جنگ میں شامل ہوئیں۔

"جھانسی میں، انگریز مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت بے ایمانی سے بیدریغ قتل کیا گیا جو اپنی شیطنت اور سفاکی کے اعتبار سے ایک چھوٹے پیمانہ پر کانپور کے خونی واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے"[1]

مہارانی صاحبہ نے اگرچہ عنانِ حکومت اس واقعہ کے تین دن بعد سنبھالی۔ لیکن اس قتل وغارت کی ذمہ داری سے اسکا دامن پاک نہیں ہے بلکہ انگریز قوم کے خلاف جس نفرت وحقارت کا اظہار رانی صاحبہ نے بعد میں کیا۔ اس سے میں تو اپنے آپکو اس امر کے باور کرنے میں حق بجانب سمجھتا ہوں کہ اس تمام قتل وغارت گری میں مہارانی صاحبہ اور اس کا والد برابر کے شریک تھے۔ جیسے جھانسی کی فتح کے بعد ہم نے اپنے آپکو حق بجانب سمجھتے ہوئے پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا لیکن غدر کے اتنے عرصہ بعد بھی مورخین نے مہارانی صاحبہ کی نفرت کو ایک حد تک حق بجانب سمجھتے ہوئے اسکی بہادری کی بہت تعریف کی ہے۔

مونٹگمری مارٹن MONTGOMERY MARTIN غدر کے اختتام کے زمانہ میں لکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ اینگلو انڈین پریس نے ایک اَور باغی لیڈر کی بھی تعریف کی ہے جس کا نام شہزادہ فیروز شاہ ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے دہلی میں باغیوں کے ہاتھوں انگریزوں کے قتل عام کو بچانے کی بہت کوشش کی۔ چنانچہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ دہلی کی فتح کے بعد اُسکا پھانسی دیا جانا ایک لازمی امر ہے۔ پھر بھی وہ نہایت شجاعت اور استقلال سے میدانِ جنگ میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے برابر ڈٹا رہا۔ اور بالآخر جب دہلی فتح ہوگئی تو وہ کسی طریقے سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ جسپر اُسکے مخالفین نے بھی اس طرح فرار ہو جانے پر کسی قسم کے افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ ایک طرح سے اطمینان کا سانس لیا۔ اُسکی شہ زوری اور موت کی آغوش سے جوانمردی کے ساتھ صحیح وسلامت رہنے کے واقعات۔ افسانوں کی صورت میں زبان زدِ خلائق ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۶۴ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں چھپ کر زندگی بسر کرتا رہا۔ اور اس کے متعلق آخری اطلاع ۱۸۶۶ء میں یہ تھی کہ وہ عربستان

[1] OXFORD HISTORY OF INDIA, P.721.

Marfat.com

میں ایک فقیر کی حیثیت میں دیکھا گیا [1]

(۸)

آج سے ایکسو سال بعد یقیناً ایکدن ایسا آئیگا جبکہ غدر کے متعلق تمام واقعات اور ہندوستانی روایات کا سختی سے احتساب کیا جائیگا۔ اور اس پر تعصب یا پروپیگنڈا کی حیثیت سے نہیں بلکہ خاص تاریخی اعتبار سے نظر ڈالی جائیگی جس کے بعد وہ ایک مستند صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یقیناً غلامانہ زندگی کی یہ ایک نہایت ہی خوفناک کہانی ہوگی۔ چنانچہ اس کے بعد ہمارے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ ہم کانپور کے سفاکانہ قتل و غارتگری کے واقعہ کو یہ کہکر اپنے سر سے ٹال سکینگے کہ :۔

"غصے اور انتقام کے صحیح جوش میں ہماری فوجوں نے نہایت خوفناک بدلہ لیا!" [2]

یا یہ کہ :۔ "جنرل ہیولاک (HAVELOCK) نے ۱۶ جولائی کے دن نانا صاحب کو شکست دے کر کانپور پر قبضہ کرلیا جس کے بعد شہریوں سے بجا طور پر نہایت بے رحمی اور سفاکی سے انگریزوں نے انتقام لیا!" [3]

مجھے اندیشہ ہے کہ مصنف کی معتدل تحریر کے باوجود ناظرین غدر کے واقعات کی سفاکی اور بے رحمی کو ٹھنڈے دل سے پڑھ کر فراموش نہ کرسکیں گے جسکا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے :۔

"اگرچہ سرسری طریق سے باغی سپاہیوں کے خلاف منتقمانہ کاروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ پھر بھی ان کو خلافِ انسانیت سمجھکر ہمارے سپاہیوں کے خلاف سختی سے نکتہ چینی کی گئی۔ اور دوسری طرف لارڈ کیننگ (CANNING) کو محض اس وجہ سے موردِ الزام قرار دیا گیا کہ اس نے باغیوں کے معاملات میں عفو و درگذر کی پالیسی کو کیوں اختیار کیا۔ بہرکیف سول اور فوجی افسران

---

[1] نوٹ :۔ یہ غلط ہے کہ شہزادہ فریڈرک شاہ انگریزوں کے قتل عام کے وقت دہلی میں موجود تھا کیونکہ وہ غدر سے پہلے کہ معظمہ گیا ہوا تھا۔ جہاں سے وہ ہندوستان کے ساحل پر اُس وقت اترا جب غدر پھیل چکا تھا۔ چنانچہ یہ سمجھکر کہ غدر دراصل ہندوستان کی آزادی کیلئے جنگ ہے وہ سیدھا میدانِ جنگ کیطرف روانہ ہوگیا جہانکہ وہ انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل عام کے بعد پہنچا۔ (مصنف)

[2] OXFORD HISTORY, P. 719.

[3] LETTERS OF QUEEN VICTORIA BY A.C. BENSON & VISCOUNT ,iii, P. 224.

Marfat.com

کی کارروائیوں کو عام طور پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ کیونکہ اُنہیں کی سرگرمی اور قابلیت سے غدر کی آگ فرو ہوئی۔" ۵۱

اس قسم کی تحریر کسی معنے میں بھی تاریخی حیثیت میں شمار نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کسی اور مضمون میں ایسی تحریرات برداشت کی جا سکتی ہیں۔ جو عقیدت کہ ملکہ معظمہ کے متعلق ہندوستانی قلوب کے اندر موجود تھی۔ اس کی بناء پر پہلے سے ہی یہ قیاس کر لیا گیا تھا کہ مشرق میں انکی رعایا ان خطوط کو نہائت دلچسپی سے پڑھیگی۔ حالانکہ یہی وجہ مصنف کو مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا کر دیتی ہے کیونکہ اِن خطوط کو ترتیب دیتے وقت اس نے ایک ایڈیٹر کے ابتدائی فرائض سے غفلت کا اظہار کیا ہے۔ یعنی مضمون زیر بحث میں خواہ مخواہ اپنی رائے کو ٹھونسنے سے دریغ نہیں کیا۔

میں اس امر کو تو فراموش نہیں کرتا کہ ہماری طرف سے بے رحمی اور سنگدلی کے واقعات ایک حد تک باغیوں کی اشتعال انگیز حرکات کا نتیجہ تھے۔ چنانچہ اپنی نسل اور قومیت پر فخر کرنے والے انگریزوں کے لئے صرف یہی ایک وجہ ایسی ہو سکتی ہے جس کی بنا پر وہ دنیا کے سامنے اپنے مذموم افعال کی حمائت میں کسی قدر گنجائش کا سامان دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک معزز ہندوستانی مورخ کے قول کے مطابق جسکا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ:۔

"بے کس اور معصوم عورتوں اور بچوں کے سفاکانہ قتل و غارت سے ہندوستانی سپاہیوں نے اپنے اعلیٰ مقصد کو ذلیل اور بدنام کر دیا۔"

متذکرہ صدر تحریرات سے نمایاں طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی مظالم کے خلاف قرار واقعی مذمت کا اظہار کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس سے بھی کہیں بڑھکر زیادہ مذمت ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ ہم نے غدر کے حالات کی اشاعت میں دیانت اور انصاف سے کام لیا ہوتا۔ غدر کے ابتدائی قتل و خونریزی کی محرک میرٹھ چھاؤنی کی وہ چھوٹی سی جماعت تھی جو اس سزا سے برافروختہ ہو گئی تھی جو نہائت ہی ذلیل اور منتقمانہ طریق سے روا رکھی گئی تھی۔ نیز اس یقین سے بھی کہ انگریزوں کا مقصد ہمارے تمدن اور مذہب کو نیست و نابود کرنا ہے اُن کے دماغوں پر ایک قسم کے جنون کی کیفیت طاری تھی۔ چنانچہ دہلی میں قتل و غارت کا جو بازار اس کے بعد گرم کیا گیا' اُس کی تہ میں بھی اِسی مغلوب الغضب جماعت کا ہاتھ ہے۔ پھر تھوڑے تھوڑے

Marfat.com

وقفوں کے بعد متعدد مقامات پر بے چینی بڑھتی گئی اور سپاہیوں نے بغاوت میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ اکیس (۲۱) چھاؤنیاں بغاوت کی نظر ہوگئیں۔ اور دونوں طرف سے ایک عالمگیر بے چینی اور قتل و غارت کی کیفیت نمودار ہوگئی۔ لیکن کانپور اور جھانسی کے خونی واقعات اُس وقت رونما ہوئے جب ہم نے نہایت بے رحمانہ طریق سے انتقام لینے کی کارروائی پر سختی سے عمل کیا اور متواتر بیدریغ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اُن کے دیہات اور فصلوں کو جلا کر خاکستر بنا دیا۔ چنانچہ یہ یقینی امر ہے کہ مورخین جنرل نیل NEILL کو کبھی اُن ہولناک مظالم سے بری الذمہ قرار نہیں دینگے جنکی بنا پر کانپور کا خونی حادثہ رونما ہوا جس کا بدلہ اس نے دل کھولکر سفاکی اور بربریت سے لیا۔

گو ہمارے مورخین نہایت وثوق سے یہ لکھتے رہے ہیں کہ غدر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کیلئے شروع نہیں کی گئی تھی بلکہ یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی پھر ہم نے مفروضہ قانون کے مطابق یا اُس سے بھی بالکل بے نیاز ہوکر بیدریغ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا اور دوستوں اور دشمنوں کے دیہات جلانے میں کوئی تمیز روا نہ رکھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ یہی فوجی بغاوت عام ہندوستانی آبادی کی ایک وسیع بغاوت ہوجاتی۔ پھر بھی اِن مظالم کے باوجود اگرچہ آکسفورڈ تاریخ ہند کے مصنف کے قول کے مطابق آگرے کا صوبہ "ہڑبونگ اور بغاوت کا سمندر" بن گیا تھا لیکن رسول رعایا نے مجموعی طور پر اپنے جذبات پر پورا قابو رکھا اور قوموں کی باہمی نفرت سے بالکل پاک رہی۔ یقیناً اُن کا یہ طرزِ عمل ہر قسم کی ستائش اور تعریف کا مستحق ہے کہ انہوں نے بہت سے بے پناہ انگریزوں کی حفاظت کی۔ یہانتک کہ باغیوں یا گورنمنٹ ہند کی طرف سے مختلف قسم کی مالی ترغیب اور لالچ کے باوجود اپنے اِس رویہ پر ثابت قدم رہی۔

"دس دن کے اندر اندر تمام اودھ سے انگریزی حکومت اس طرح غائب ہوئی کہ ڈھونڈھنے سے بھی اُس کا کہیں سُراغ نہیں ملتا تھا۔ فوجوں نے بغاوت کا اعلان کردیا اور لوگوں نے بھی اپنے آپکو آزاد سمجھکر ہم سے مُنہ موڑ لیا۔ لیکن اِس تمام عرصہ

Marfat.com

میں نہ کوئی منتقمانہ کارروائی عمل میں لائی گئی اور نہ ہی کہیں کسی پر ظلم کیا گیا۔ چنانچہ اودھ کے بہادر اور سرکش باشندوں نے سوائے چند مستثنیات کے عام طور پر پناہ گزین انگریزوں کو نہایت مہربانی اور شفقت سے اپنے ہاں پناہ دی۔ بالخصوص اودھ کے تعلقہ داروں نے تو نہایت فیاضی اور فراخ حوصلگی سے اپنے مفتوح آقاؤں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر انگریزوں کے ہاتھوں سے انہیں متعدد نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔ اور کئی قسم کی ناانصافیوں کے شکار رہ چکے تھے۔" [1]

ہم اس امر کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ فریقین غلط اور بے بنیاد افواہوں سے برافروختہ ہو کر تقریباً دیوانہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ بہت سے باغیوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ انگریزوں کا منشاء ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنے کا ہے۔ یا یہ کہ ہم جبراً اُن کے مذاہب کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہماری اپنی تواریخ کے مطالعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک میں ہمارے متعلق ایسے مکروہ اور شیطانی مظالم کے افسانے مشہور ہو گئے تھے۔ جنکا ہم خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے۔ پھر بھی بدقسمتی سے اُن پر یقین کر لیا گیا تھا۔ لوگ عام طور پر ایسی افواہوں پر بہت جلد یقین کر لیا کرتے ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ انہیں ایسے موقع پر انتظار کرنے اور سوچنے کی تربیت دی گئی ہو۔ جوش ایک ایسی آسان شاہراہ ہے جسپر پراپیگنڈا کا اثر نہایت تیزی سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جرمن پبلک نے بھی بلجیم کے مفروضہ بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جو ایک حد تک بعد کی ظالمانہ کارروائیوں کے ذمہ دار تھے۔ اسی طرح جنوبی افریقہ کے جنگ کے سلسلے میں یورپ نے بھی ہمارے خلاف نہایت مکروہ زیادتیوں کو درست سمجھا تھا۔ جب کبھی دو فریق میں جنگ ہو جاتی ہے تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خلاف متشددانہ مظالم کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور اس طرح نہایت آسانی سے ایک دوسرے کو ظالم اور مجرم مشہور کرنے کے لئے اعتماد اور یقین کی فضا پیدا کر لی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عام لوگ تو امن کے زمانہ میں بھی متجسس اور رازجو نہیں ہوا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت کی جانچ اور تحقیق کے مواقع بہت ہی کم ہوا کرتے ہیں۔ اور خود ہماری اپنی رغبت بھی ایسی

---

[1] FOREST, i, P. 227.

Marfat.com

تحقیق و تفتیش کے لئے نسبتاً کم ہی ہُوا کرتی ہے۔

(۱۰)

امرت سر کے واقع میں بھی اسیطرح یورپین قوم کے احساسات کو ٹھیس لگائی گئی۔ جو ایک حد تک حق بجانب بھی تھے۔ مردوں کے بیدردانہ قتل کے علاوہ ایک ایسی انگریز عورت پر بھی حملہ کیا گیا جس نے اپنی زندگی ہندوستانی مستورات کی فلاح و بہبود کیلئے وقف کی ہوئی تھی۔ نیز ایسے اشتہارات چسپاں کئے گئے جنمیں انگریز عورتوں کو بے عزت کرنیکی ترغیب دیگئی تھی۔ بذاتہ یہ ایک ایسا مکروہ طرز عمل تھا جس سے انگریزوں کے غصے کا پارہ کھولاؤ کے درجہ تک پہونچ گیا۔ میرے نزدیک مفسدہ پرداز گروہ یا باغیوں کا جتھا۔ کیونکہ انہیں باغی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس معاملہ میں تو کانپور کے خونی حادثہ سے بھی بڑھکر ذلیل طرز عمل کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ نیز اس قسم کی تمام تر ذمہ داری اُن مجرمانہ ذہنیت کے انسانوں پر عائد ہوتی ہے جنکی کثیر تعداد اُس وقت موجود تھی۔ لیکن میرا آج بھی یہ خیال ہے کہ اُس وقت کے حساس اور شریف ہندوستانیوں نے انگریزوں کے برافروختہ جذبات کا صحیح طور پہ اندازہ کرنے میں نمایاں ناکامی کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ہمارے نزدیک ایک مرد کو تکلیف پہنچانے اور اذیت دینے سے طبیعت اس حد تک برافروختہ نہیں ہوتی جتنی کہ اُس وقت سے ناخوش ہو جاتی ہے۔ جب ہم یہ سُنتے ہیں کہ کسی عورت کو بے عزت کیا گیا یا تکلیف دیگئی۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارے یہ جذبات یا احساسات تمام اخلاقیات کے ضابطے پر پورے نہ اتریں یا ممکن ہے کہ جیسا کہ آج بھی کہا جاتا ہے کہ اِس قسم کے جذبات کی نمائش محض بناوٹ اور منافقت ہے اور یہ ایک جھوٹا طلسم ہے جو عورت کی عزت کے تحفظ کے نام پہ بہادرانہ رنگ میں ایک ایسے زمانے میں پیش کیا جاتا ہے۔ جو درحقیقت وحشت اور بربریت کا مظہر ہے۔ اگرچہ دھوکے سے اُسے شجاعت اور بہادری کا زمانہ کہا جاتا ہے لیکن خواہ کتنی بھی کوشش کیجائے آپ ایک یورپین دماغ سے اس عقیدے کو نکالنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جو غلطی سے یا صحیح طور سے اُس نے اپنے اسلاف کی مبہم اور نیم روشن زندگیوں سے ورثہ میں حاصل کیا ہے۔ یعنی اُنکا دعوٰے ہے کہ محض اس جذبہ پہ عمل کرنے سے اُس نے زندگی کو

Marfat.com

زیادہ شریف اور معزز بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے بمقابلہ اُس جذبہ کے جس کا اظہار ہندوستانی مستورات اپنے خاوندوں کی چتا پر زندہ جلنے سے کیا کرتی ہیں۔ بہرحال اختلاف یا فرق بالکل ظاہر طور پر موجود ہے اور مناسب یہی ہے کہ اس سے احتراز ہی کیا جائے۔　　(۱۱)

پنجاب کے مظالم اور بالخصوص جلیانوالہ باغ کے خونی حادثہ کو حق بجانب قرار دینے کیلئے جس دیوانگی کے ساتھ یورپین قوم نے حمایت کا اظہار کیا۔ اس سے ایسا شدید نقصان پہنچا ہے کہ اُسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ اس جوش کی کیفیت اسقدر عام نہیں تھی۔ جتنی کہ ہندوستانی سمجھتے تھے۔ کیونکہ میں نے خود کئی ایک انگریز فوجی افسران کے مُنہ سے جلیانوالہ باغ کے متعلق نہایت منصفانہ اور معتدل الفاظ سُنے ہیں۔ یہانتک کہ پنجاب کو چھوڑ کر تمام سرکاری افسران کا رجحان بھی اس واقعہ کے خلاف تھا۔ مگر نوکری کی وجہ سے اُن کی زبانیں مقفل تھیں اور علانیہ اظہار خیال سے اپنے آپکو مجبور محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی ہمدردآواز ہندوستانی کان ناآشنا ہے۔

انگریزوں کیلئے اکثر یہ مفید ہوتا ہے اگر یہ مشرقی ممالک میں بجائے اپنے ہمقوموں سے علیحدہ بود و باش اختیار کرنے کے دیسی باشندوں کے درمیان رہائش بنائیں جس سے بیگانگت بہت حد تک دُور ہوجاتی ہے۔ غدر میں انگریزوں کی بکھری ہوئی جماعتوں نے اپنی اپنی جگہ نہایت غیر معمولی جرأت اور دلیری کا اظہار کیا۔ جنکو فراموش کرنے سے ہم اپنے آپکو اور زیادہ کمزور کردینگے۔ حالانکہ اُن کے مقابلہ میں کلکتہ اور شملہ میں آباد انگریزوں نے جہاں کہ فوجوں کے مسلسل پہنچنے کی وجہ سے گھر سے زیادہ امن و آرام نصیب تھا۔ پھر بھی انہوں نے خطرات میں گھرے ہوئے انسانوں کی طرح دیوانہ وار ظلم اور تشدد کی پالیسی پر عمل کرنے کا شدت سے مطالبہ کرنا شروع کردیا چنانچہ لارڈ کیننگ CANNING ملکہ معظمہ کو اپنی ایک چٹھی میں اس کیفیت کا اسطرح اظہار کرتا ہے کہ :-

"کسی آدمی کا یہ حق نہیں ہے کہ اُن افراد کی چیخ و پکار یا ہندوستانیوں کے خلاف نفرت وحقارت کے اظہار پر کسی قسم کی حرف گیری کرسکے۔ جن کے عزیز نہایت سفاکی اور بیدردی سے باغیوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے ہیں۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یہ آوازایسی

Marfat.com

جماعت کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ جو شروع سے لیکر آخر تک نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں میں آرام و آرائش سے بیٹھی رہی۔ جن کے قلوب اُن صعوبتوں اور سختیوں سے محض ناآشنا ہیں۔ جو دوسرے بدنصیب انسانوں کو اُٹھانی پڑیں۔ بنابریں مجھے اندیشہ ہے کہ اس قسم کی دیوانگی ہندوستان میں امن اور حسنِ انتظام کی بحالی کے لئے سخت رکاوٹ ثابت ہوگی۔

خواہ تمام باغیوں کو قرار واقعی سزائیں ہی کیوں نہ دیدی جائیں "[1]

لارڈ کیننگ کی پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی چنانچہ اسی چٹھی میں وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ :-

"حضور والا کو یہ تحریر کرتے ہوئے لارڈ کیننگ CANNING کو سخت صدمہ ہوتا ہے کہ ہمارے راستہ میں سب سے زیادہ رکاوٹ، انگریزی قوم کا وہ بغض و عناد ہے جسکا اظہار وہ نہایت متشددانہ طریق سے ہر ہندوستانی کے خلاف کر رہی ہے اور نہ ہی ایسے افراد کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے جو نہایت شد و مد سے ہندوستانیوں کے خلاف بذریعہ تحریر و تقریر پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ کہ اگر ہم نے ہندوستان کو اپنی مملکت میں رکھنا ہے تو ہمیں لازماً ان پر اعتماد کرنا ہوگا۔ اور فوج اور سول محکمہ جات میں ان کو ملازم رکھنے کے بغیر چارہ نہیں میرے اس خیال میں یقیناً مبالغہ آرائی کا پہلو نہیں نکلتا۔ کہ اگر آج ملکہ معظمہ کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ آئندہ سے کسی ہندو یا مسلمان کو گورنمنٹ کے کسی شعبے میں ذمہ داری کے کسی عہدہ پر متعین نہیں کیا جائیگا۔ سوائے اس کے کہ صرف چپڑاسیوں یا معمولی محرروں کا کام لیا جائیگا۔ تو حضور یقین کریں کہ انگریز قوم خوشی کے شادیانے بجائیگی۔ کیونکہ اُن کی یہی خواہش ہے کہ انگریزوں اور دیسی رعایا کے درمیان نفرت اور عدم اعتماد کی ایک خلیج حائل ہو جائے۔ بلکہ بعض انگریزوں کا تو اس وقت یہ عقیدہ بنگیا ہے کہ کوئی ہندوستانی کسی وقت بھی کسی انگریز کے ساتھ ہمدردی اور وفاداری کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ حالانکہ موجودہ نازک دور میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی فیاضی اور وفاداری کی بیشمار مثالیں ریکارڈ پر آچکی ہیں "

پنجاب کے حوادث کے بعد سب سے زیادہ شور مچانیوالے وہ لوگ نہیں تھے جو اپنے کاروبار یا

[1] LETTERS OF QUEE VICTORIA, iii. 251.

Marfat.com

نوکری یا مذہبی تبلیغ کی بنا پر ہندوستانیوں کے درمیان زندگی بسر کرتے تھے۔ بلکہ یہ وہ جماعت تھی جو اگرچہ گنجان آبادیوں میں پولیس اور فوج کی محافظت میں نہایت امن اور راحت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی دوسرے غدر کے موہوم خطرے نے اُن کے ہوش و حواس پر اسطرح قبضہ کرلیا ہے کہ وہ طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپکو بالکل کمزور اور محصور سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے ایک ضلع کا حاکم یا چائے کے کھیت کا مالک اگرچہ وہ ہندوستانیوں میں گھرا ہوا رہتا ہے مگر اپنے آپکو کمزور محسوس نہیں کرتا۔ اور اپنے تدبر اور تجربہ کی بنا پر، نیز اپنے ذاتی تعلقات کے بھروسے پر، اس حد تک خود اعتمادی پیدا کرلیتا ہے کہ وہ ایسے معاملات میں ضبط اور تدبر کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا۔

ہماری مستورات کے لئے یہ ملک مناسب نہیں بلکہ روز بروز مخدوش ہوتا چلا جارہا ہے۔ ایک عورت کے لئے یہاں کی زندگی اسی صورت میں قابلِ برداشت ہوسکتی ہے۔ اگر اسکا خاوند روزانہ زندگی کی آسائش اور ضروریات کو اپنی تنخواہ سے پورا کرنیکے قابل ہو کیونکہ ضروریاتِ زندگی دن بدن گراں ہورہے ہیں۔ ایک انگریز عورت اپنی ذاتی نسوانی خوبیوں کے علاوہ تھوڑی سی نسوانی آزادی کی بنا پر جو ہندوستانی مستورات کو نصیب نہیں۔ ہندوستانیوں سے عام طور پر اپنے لئے ایک قسم کی پرستش حاصل کرلینے میں کامیاب رہتی ہے۔ خواہ اُسکا خاوند ضلع کا حاکم ہو یا پادری، یا زمیندار لیکن انگریز عورتیں اکثر چڑچڑی مزاج کی ہوجاتی ہیں۔ اور ہندوستانیوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کردیتی ہیں۔ چنانچہ پنجاب کے حوادث میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر جس چیز کو ہندوستانیوں نے بالعموم اور ہندوستانی مستورات نے بالخصوص محسوس کیا۔ وہ ہماری مستورات کا طرزِ عمل تھا۔ جسکا اظہار انہوں نے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی پُرزور حمایت میں کیا تھا۔ کیونکہ تقریباً ہر ہندوستانی عورت کے کان اس حادثہ کی جملہ سرگزشت سے بخوبی آشنا تھے۔ اور وہ پوری طرح سے متاثر ہوچکی تھی۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اس معاملہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے:۔

"سوال:۔ تمہیں کس وقت علم ہوا کہ تمہارا خاوند باغ میں قتل کردیا گیا؟

Marfat.com

جواب:۔ گولی چلنے کے کچھ عرصہ بعد مَیں نے اپنے بازار میں سُنا کہ ہزاروں آدمی قتل کئے گئے ہیں یہ سُنکر مَیں پریشان ہوگئی اور دل میں یہ ارادہ کیا کہ فی الفور باغ میں پہنچنا چاہئے۔ چنانچہ دو ہمسایہ عورتوں کو ساتھ لیکر وہاں پہنچی۔ جہاں پر تمام جگہ کو مُردہ لاشوں سے بھرا ہوا پایا اور مَیں نے اپنے مقتول خاوند کی لاش کو ان میں ڈھونڈھنا شروع کیا۔ چنانچہ لاشوں کے انبار کے نیچے سے مَیں نے اپنے خاوند کی لاش کو کھینچ کر باہر نکالا اور تمام جگہ خون کا تالاب نظر آتی تھی۔

اس کے بعد گواہ نے بتایا کہ اس نے خاوند کی لاش کو گھر پہنچانے کے لئے امداد کی تلاش کی لیکن ناکام رہی۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہے کہ مَیں مایوس ہوکر واپس آگئی۔ اور اپنے خاوند کی لاش کے پاس بیٹھکر اسی طرح تمام رات گذار دی۔ جہاں پر کتوں کی کثرت کی وجہ سے مجھے اکثر چھڑی کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔ رات کے دو بجے ایک زخمی [illegible] آواز سُنکر اس کے پاس گئی اور اُس کی ٹانگ کو درست طریق پر رکھ دیا جس سے [illegible] کو افاقہ ہوگیا۔ وہاں پر ایک بارہ سال کا زخمی بچہ بھی تھا۔ جو تمام شب روتا رہا اور بار بار مجھ سے یہ التجا کرتا رہا کہ مَیں اُسکے پاس بیٹھی رہوں کیونکہ اُس حالت میں تاریکی میں وہ ڈر محسوس کرتا تھا۔ پاس ہی ایک اور زخمی تھا جو نہایت ہی دردناک طریقے سے تمام رات پانی کے لئے التجائیں کرتا رہا مَیں نے ہرچند پانی مہیا کرنے کے لئے کوشش کی لیکن افسوس کہ ناکام رہی۔ تمام رات زخمیوں کی دردناک چیخیں سُنتی رہی یا کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے بھنبھنانے کی مکروہ اور بھیانک آوازیں آتی رہیں۔ علی الصبح چھ بجے کے قریب سُندر داس چارپائی لیکر پہنچا جس پر مقتول خاوند کی لاش کو ڈالکر ہم لوگ گھر پہنچے۔ جہاں پر کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد شمشان بھومی میں لیجا کر لاش کو آگ دیدی گئی؛ ۵؎

خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایسے ہندوستانی موجود ہیں جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ بحیثیت ایک قوم کے ہمارا طرزِ عمل نہایت مکروہ رہا ہے لیکن جس وقت ایسے واقعات کی تلخ یاد سے وہ کبیدہ خاطر ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو صرف انگلستان کی فیاضی اور برتری کی بعض خوشگوار مثالوں کی یاد ہی ایسے مذموم واقعات کی تلخی کو کسی قدر کم کرنے میں کامیاب ہُوا کرتی ہے ورنہ ممکن ہے کہ ایسے رنجیدہ واقعات ابھی اور سُننے میں آتے

۵؎ O,DYWER V. NAIR, TIMES REPORT, 28th MAY 1924.

Marfat.com

(۱۲)

غدر کے ہنگامے میں جس جماعت نے سب سے زیادہ نقصان اٹھایا وہ مخلوط النسل انگریزوں (EURASIANS) یعنی دوغلوں یا کرسٹانوں کی جماعت ہے۔ اس جماعت پر ہم نے خود بھی بے حد ظلم کئے ہیں یعنی مسلسل شرمناک اور مکروہ طریقوں سے تغافل کی پالیسی پر عمل کر کے ہم نے اس جماعت کو نہایت ہی کمزور اور ماتحت حیثیت میں رکھ چھوڑا ہے جس سے لازمی طور پر طبائع میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے اور دماغ میں موجودہ بدبختی کا احساس ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اگرچہ موجودہ بُعد اور دُوری کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ایک وسیع خلیج پیدا ہو جاتی لیکن اسکے برخلاف دونوں اقوام ایک دوسرے کے خلاف شدّت سے برافروختہ ہو گئیں۔ گذشتہ دور میں اس قوم نے برٹش راج کی زرّیں خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ تاریخِ ہند کے صفحات کئی ایک معزّز افراد کے بے نظیر استقلال اور دماغی قابلیت کے کارناموں سے آفتاب کی طرح چمکتے ہیں۔ اسی طرح اس قوم نے ہندوستانی قومیت کی بھی بے حد خدمت انجام دی ہے لیکن اسکے باوجود ہندوستانی قوم کے دل میں انگریزوں کیطرح دوغلوں (EURASIANS) کے خلاف بھی ویسی ہی شدید نفرت موجود ہے اور دوسری طرف ہندوستانی خون کی آمیزش کے داغ کے بنا پر انگریزوں کے ہاتھوں نہایت ہی غیر منصفانہ اور ظالمانہ طریق سے ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے جو بیحد حوصلہ شکن ہے مگر اس کے باوجود یہ قوم یہی محسوس کرتی ہے کہ اپنی آئندہ بقا اور ترقی کیلئے انگریز کے دامن میں پناہ لے۔ چنانچہ اپنی کمزور سا آواز اور بھونڈے طریق سے اس مقصد کی تکمیل میں بڑا ہی سرگرم نظر آتی ہے اور ایسی بے نظیر وفاداری کا اظہار کرتی ہے جس کی مثال سلطنت کی دیگر نوآبادیات کی اقوام میں عنقا ہے ہم حیران ہیں کہ ہماری طرف سے انتہائی ناروا سلوک کے باوجود وہ ہم سے ایسی اندھی وفاداری کا اظہار کیوں کرتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ یورپ کی جنگ میں ایسی عدیم المثال جرأت اور بہادری کا ثبوت اس قوم نے پیش کیا ہے جس سے وہ بجا طور پر کسی انگریز سے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر مساوی حیثیت کی حقدار کہلائی جا سکتی ہے۔ اگر ہماری سلطنت جو اسلحہ جنگ اور خود غرضانہ نشر و اشاعت پر بیدریغ روپیہ صرف کرنیکی عادی ہے تھوڑی سی رقم بھی اس گری ہوئی قوم

Marfat.com

کی تعلیم و تربیت پر صرف کرے تو اس سے نہ صرف بیحد تقویت پہنچ سکتی ہے بلکہ کشیدگی کی خلیج میں بھی نمایاں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اور اس سے ہمارے اور ہندوستانی دماغوں سے بے اعتمادی کے سیاہ بادل بہت حد تک معدوم ہو جائیں گے۔

(۱۳)

ہمیں غدر کے اثرات کو جو دو صدیوں کی مسلسل غلط بیان سے تاریک ہو چکے ہیں پوری تدبر اور غور سے دور کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے ہمیں مکمل وضاحت کے ساتھ اس پالیسی کو تبدیل کرنا چاہیئے کہ ہماری سلطنت سے مراد ہندوستان میں آقاؤں کی غلاموں پر حکومت کرنی ہے۔ اور معاملات کے حل کرنیمیں چونکہ ہم ایک بردہ فروش آقا کی طرح اپنے ہموطنوں کی خوبیوں کا اندازہ لگایا کرتے ہیں یا جیسے ایک شکاری شکار کے وقت کتوں کی خدمات اور اوصاف کو پرکھتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ایک وقت میں ہندوستانیوں نے کارتوسوں کے جبریہ استعمال اور ہمارے اصرار پر ہم سے بغاوت کی۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندوستانی ہمارے ساتھ وفادار ہیں اور نمکحرامی تو نہیں کرتے؟ بحالات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں، اور خواہ کیسی ہی مفروضہ شکایات کی بنا پر ناقابلِ یقین حماقت سے ہمارے خلاف اقدام ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ پھر بھی دیکھنا یہ ہے کہ کیا من حیث القوم ہندوستانی ہمارے وفادار ہیں یا نہیں۔ ایک عیسائی مشن کے نمائندے سے دوران گفتگو میں جبکہ وہ مسٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی علمی قابلیت کا اظہار کر رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے محض یہی سوال پیدا کیا کہ کیا وہ ہمارا وفادار ہے؟ کیونکہ اس کے نزدیک دلچسپی کا پہلو صرف اسی سوال میں مضمر تھا۔ سوال کنندہ نہایت ہی بے دماغ شخص تھا۔ اگرچہ اس نے اس سوال کو پیش کرتے وقت اپنے آپکو ایک عقیل و مہذب قوم کے نمائندہ کی حیثیت میں ظاہر کیا جو ایک ایشیائی سے عام طور پر اندھا دھند تقلید اور اطاعت کی خوگر ہوا کرتی ہے۔ یہانتک کہ اگر اسکا مخاطب سینٹ پال جیسی عظیم شخصیت کا مالک بھی ہوتا تو پھر بھی وہ اس سے یہی سوال کرتا۔ اس کے مقابلہ میں آسٹریلیا یا کینیڈا کے کسی باشندے کے متعلق ایسا شبہ کرنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں کبھی نہیں آئیگا۔ ہندوستانی علی الاعلان ہم سے احتجاج یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم نے کبھی انکو شہریت کے وہ حقوق عطا کئے ہیں جو صحیح

Marfat.com

معنوں میں ایک شہری کا زیور ہوتے ہیں۔ پنجاب کے حوادث میں شہروں پر بم گرانے کے مظالم نے بھی اس حد تک نفرت دور ذلت کے احساسات کو پیدا نہیں کیا جس حد تک کہ پیٹ کے بل رینگنے کے انسانیت سوز حکم نے برانگیختہ کیا۔ ہمارے خلاف اظہار رائے کرتے ہوئے ہندوستانیوں نے علانیہ یہ دلیل پیش کی کہ یہ بات تو ذہن میں آسکتی ہے۔ کہ حکومت گلاسگو یا لورپول میں عام لوگوں پر بازاروں میں گولی چلانے کا حکم دیدے لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جبتک لوگوں کی طرف سے کھلی جنگ کا اعلان نہ کردیا جائے وہ ہوائی جہازوں سے اون پر بمب گرانے کا حکم دیدے۔

ایسے تمام انگریزی مردوں اور عورتوں کی خدمت میں جو اپنے خیال اور عمل میں انصاف کو ہاتھ سے دینا نہیں چاہتے۔ بہ ادب گذارش کرونگا کہ جو کچھ کیا جاچکا ہے وہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ ہمارے ہمعصر ہندوستانیوں میں غلامانہ اظہار عقیدت کے علاوہ جسے ہم اپنی اصطلاح میں "وفاداری" سے موسوم کرتے ہیں اور بھی ایسی کئی خوبیاں ہیں جو ہم سے بدرجہا زیادہ افضل اور ہماری خودداری کے مفہوم سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھکر ہیں لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود اگر پھر بھی ہم ہندوستانیوں کو بغاوت اور غدر کی میگزین کے شعلوں کو بڑھکانے والے فتیلے ہی سمجھتے رہیں۔ یا ان میں سے ہر ایک کو ہم اسی خونی جماعت کے شریک کار کی حیثیت سے دیکھیں جن کے ہاتھ کانپور کے حادثہ سے رنگے ہوئے ہیں تو اس تمام بد اعتمادی کے جواب میں وہ صرف ایک ہی خوبی کا اظہار کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے طرز عمل کو ہمیشہ اس حد تک مخدوش بنادیں کہ ہم ہر ہندوستانی کے متعلق ابھی شبہ کا اظہار کرتے رہیں کہ کیا وہ ہمارے ساتھ وفادار ہے۔ یعنی باہمی اعتماد بالکل جاتا رہے۔

(۱۴)

غدر کے بعد ہندوستانیوں کے دماغ پر اس رنجیدہ حادثہ نے کیا اثر چھوڑا۔ اسوقت میں اسپر بحث کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ قارئین خود ہی اسکا اندازہ کافی طور پر کرسکتے ہیں یہ قاعدہ ہے کہ جب دو قومیں آپسمیں ایکدوسرے سے برسر پیکار ہوا کرتی ہیں تو میدان جنگ میں طرفین سے جس قدر خونریزی اور قتل کی وارداتیں عمل میں آتی ہیں۔ وہ بعد میں ایکدوسرے کو معاف کی جاتی ہیں لیکن جس وقت ایک فریق اپنے آپکو ایک مفروضہ

عدالت کی شکل میں تبدیل کرکے دوسرے کیلئے بیدریغ پھانسیوں اور قتل و غارت کو پسند کرلیتا ہے تو اسکا یہ فعل اس حد تک مذموم قرار دیا جاتا ہے۔ کہ جبتک مظلوم قوم کی نسل زندہ رہتی ہے۔ وہ نہ تو مظالم کی بنا پر فاتح کو معاف کر سکتی ہے اور نہ ہی فراموش کیا کرتی ہے۔ چنانچہ باوجود اس امر کے کہ صرف ۱۰۰ سال پہلے ہزاروں کی تعداد میں سکھ ہمارے ہاتھوں سے میدانِ جنگ میں کام آئے تھے۔ مگر غدر کے موقعہ پر وہ ہمارے ساتھ حلیف کی حیثیت سے برابر شریک رہے لیکن دوسری طرف جب مسٹر کوون (COWEN) نے سنگدلی سے پچاس سکھوں کو مالیر کوٹلہ میں توپوں سے باندھ کر اڑا دیا تو اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اُس وقت سے لیکر آجتک اُنکے اور ہمارے درمیان اختلاف اور دشمنی کی ایک وسیع خلیج پیدا ہوگئی ہے۔ غدر کے خونی ڈرامہ میں ناتھن ہیل NATHAN-HALE میجر انڈرے MAJAR ANDRE وولف ٹون WOLT TONE اور پیرس PEARSE جیسے افسران کا نام انکے مظالم کی وجہ سے آجتک زندہ ہے۔ مزید برآں جب ایسے مظالم کو افسران کی رپورٹوں میں بھی جگہ نہ دیگئی۔ اور نہ ہی غدر کے متعلقہ حالات میں ان حوادث کی صحت کو تسلیم کیا گیا۔ تو اسکا یہ نتیجہ نکلا کہ ان مظالم کی یاد نسلاً بعد نسلاً شمالی ہند کے بازاروں میں افسانوں کے رنگ میں آجتک زندہ چلی آتی ہے۔ چنانچہ یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ "پنڈت جی" (مفروضہ ہندی سیاست دان) اس دبی ہوئی تلخی کی آگ کو آج بھی کرید کرید کر بھڑکانے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ کیا ہندوستان میں اب بھی ایسے خاندان یا ہمدرد یا انکے ورثاء موجود نہیں ہیں جنکو ہم نے مفروضہ عدالتوں کے حکم سے یا ویسے ہی بغیر کسی قسم کے مقدمہ چلانے کے صرف اپنی مرضی سے، بیدریغ پھانسیوں پر نہیں لٹکایا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے مشہور قوم پرست لیڈر مسٹر تلک آنجہانی کے ایک رشتہ دار نے اسکا نقشہ ذیل کے الفاظ میں قلمبند کیا ہے:-

"وہ خاندان کا بنگ اپنے اسلاف کیطرح اگرچہ مذہبی مراسم کی ادائیگی میں بحد متعصب اور مضبوط تھا جو دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب اسکا خسر پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو اُسوقت سے لیکر آجتک اُسکے مزاج میں اس واقعہ کی یاد سے ترشروئی اور تندخوئی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ یہانتک کہ بعض اوقات تو وہ دیوانگی کی شکل اختیار کرلیتی تھی۔" [1]

[1] TILAK BY WINSLAW (OXFORD PRESS)

Marfat.com

"فریبی اور چالاک مشرقی دماغ کو سمجھنا غالباً بہت مشکل امر ہے کیونکہ کوئی شخص دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ کونسی چیز اس وقت اُس کے دماغ میں پنہاں ہے لیکن اسکے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ عام ہندی دماغ میں غدر کے واقعات کی تلخ یاد ہر وقت موجود رہتی ہے چنانچہ ایک انگریز پادری نے راقمِ تحریر کو بتایا کہ شروع شروع میں جب میں ہندوستانی طبائع سے ناواقف تھا تو ایکدفعہ میں نے عیسائی مبلّغین کی جماعت کو یہ حکم دیا کہ وہ غدر پر ایک جواب مضمون لکھیں لیکن ہر ایک طالبعلم نے بغیر کچھ لکھنے کے خالی کاغذ مجھے واپس کر دیئے یعنی اس کام کو نہ کرنیکا ایک خاموش متفقہ اور ناقابلِ معافی انکار تھا۔"[1]

غدر کی اصلیت سے پورے طور پر واقف انگریزوں میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ ہمارے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم کچھ سال اور انتظار کی پالیسی پر عمل کریں۔ یہانتک کہ وہ انسان ہی دنیا سے رحلت کر جائیں جنکے دماغوں میں غدر کی تلخ یاد کا ذخیرہ موجود ہے لیکن حالت یہ نہیں ہے کیونکہ جبتک ہماری مشتہر کردہ غدر کی تواریخ دنیا میں موجود رہینگی اُس وقت تک ہمارے خلاف نفرت بڑھتی رہیگی اور پھیلتی رہیگی یہی وجہ ہے کہ غدر کی تلخ یاد نے بیس سال پہلے جتنا احاطہ کیا ہوا تھا۔ آج اس سے کہیں زیادہ حصے تک سرایت کر چکی ہے۔ برٹش سیاست کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تو ہم نے مسٹر گلیڈسٹون (GLAD STONE) اور لارڈ سیلسبری (LORD SALISBARY) جیسے مشہورِ زمانہ مدبّرین کے خیالات تک کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وقت کی ضرورت انکے برخلاف حکم دیتی تھی۔ لیکن ہندوستان کے متعلق ہم ابھی تک اُسی فرسودہ پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ یہانتک کہ ہندوستانیوں میں نااتفاقی اور باہمی اختلاف کو زندہ رکھنا۔ قدیم سے ہمارے سیاست دانوں کا نہایت ہی مرغوب مشغلہ بنا ہوا ہے۔ لیکن ہندوستان اتفاق و اتحاد کی ضرورت کا پیش از پیش احساس نہایت تیزی سے کر رہا ہے۔ چنانچہ اودھ کو غدر کے زمانہ میں جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ آج اُن مصائب و تکالیف کی صدائے بازگشت اودھ سے باہر کے صوبوں میں بھی ہمدردی کے لہجے میں بلند ہو رہی ہے یہانتک کہ جنوبی ہند کی غیر آباد پہاڑیوں میں رہنے والے قدیم دراوڑ قوم کے افراد میں بھی، دہلی کے مظالم کی یاد سے تلخی کی آگ کی چنگاری ظاہر ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں اس دشمنی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے دو ہی طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اول یہ کہ تمام درسگاہوں اور کالجوں کو یکقلم بند کر دیا جائے اور لکھنے اور پڑھنے

[1] W.H.FITCHETT, THE TALE OF THE GREAT MUTINY. P. 440/441

کی تمام کوششوں کو نہایت سخت قوانین سے روک دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو تعلیم کے تمام ذرائع اور بحث و خیال کے تمام دروازوں کو سختی سے بند کر دیا جائے۔ ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ واقعات کی سچائی کو تسلیم کر کے غلط بیانی کے پچھلے طریقے کو خیرباد کہہ دیں۔

وہ ہندوستانی جو انگلستان میں جاتے ہیں اس تلخی کو زیادہ سختی سے محسوس کرتے ہیں۔ مسٹر ونائک ساورکر (VINAYAK SAVARKAR) لندن میں ایک طالبعلم کی حیثیت میں مقیم تھا۔ اور اگرچہ اس وقت وہ سر کرزن وائیلی (SIR CURZON WILLIE) کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کی وجہ سے عمر قید کی سزا بھگت رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ باوجود اس شفقت آمیز سلوک کے جو انگلستان میں ہندوستانی طالبعلموں سے بالخصوص روا رکھا جاتا ہے جس کی تصدیق بھی بیشتر ہندوستانی حضرات نے اکثر کی ہے۔ وہ کیوں ہم سے اس درجہ متنفر ہو گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اس نے بعید مطالعہ سے غدر کے واقعات پر ایک مبسوط کتاب لکھی جسکو ۱۸۵۷ء کی ہندوستانی آزادی کی جنگ کے نام سے موسوم کیا۔ چنانچہ سر ویلنٹائن شرول (SIR VALENTINE CHIROL) اس کتاب کے متعلق ذیل کے الفاظ میں اظہار رائے کرتا ہے:

"غدر کے متعلق اپنے رنگ میں یہ ایک قابل غور تاریخ ہے جس میں اگرچہ واقعات کو نہایت غور و تحقیق سے اکٹھا کیا گیا ہے لیکن انکی ترتیب میں بعض واقعات کو بعض اوقات بری طرح الٹ پلٹ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں اعلیٰ علمی قابلیت کے اظہار کے باوجود اس کتاب میں انگریزوں کے برخلاف وحشیانہ نفرت بھی ٹپکتی ہے۔"[1]

ناظرین کو غالباً یاد ہو گا کہ جب اسکو ہندوستان میں مقدمہ کیلئے بھیجا گیا تھا تو اس نے راستے میں بھاگنے کی کوشش کی تھی یعنی وہ جہاز سے سمندر میں کود پڑا اور تیر کر مارسیلز کی بندرگاہ میں جا پہنچا جہاں اسے فرانسیسی حکام نے بڑی رد و قدح کے بعد انگریزوں کے حوالہ کر دیا کیونکہ انگریزوں نے انکی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے اسے ایک عام قاتل کی حیثیت میں شمار کیا تھا نہ کہ ایک سیاسی مجرم کی حیثیت میں جسکی پاداش میں اسے عمر قید کی سزا دی گئی۔ بہرکیف اسکے جرم کو کسی طرح کم سنگین خیال نہ کرتے ہوئے آج بھی ممکن ہے ایسے انگریز ملیں جو حکومت کے اس فعل پر اظہار افسوس کریں کہ اس نے ایک نوجوان کو جو نہ صرف اعلیٰ علمی قابلیت

[1] INDIAN UNREST, P. 40

Marfat.com

رکھتا تھا۔ بلکہ اُسکے ساتھ ہی پہلے درجہ کا نڈر اور دلیر بھی تھا۔ عمر قید کر کے ہمیشہ کے لئے ضائع کر دیا۔ نفرت و حقارت کی چمکتی ہوئی مشعل کی روشنی میں اس مستقل مزاج نوجوان نے ممنوعہ تاریخ کی ورق گردانی کر کے ہمارے اُن تمام افعال کو بصیرت کی نگاہ سے بے نقاب کر دیا جنکے متعلق ہم یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ وہ رازِ سربستہ کیطرح دنیا کی آنکھوں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل رہینگے۔ چنانچہ دنیا کی سب سے زیادہ مکروہ اور ظالمانہ جنگ کے حالات جو ہماری اپنی خشک اور گستاخ قلم سے نکلی ہوئی سچائیوں کے مظہر تھے جب اُسکی آنکھوں سے گذرے تو اُسکے دماغ پر ایک قسم کا جنون مسلط ہو گیا جو بالآخر ایک قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جسے بعض مورخین انگلستان میں مقیم ہندی طلبا کی ذہنیت کا صحیح نمونہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۱۵)

میرے نزدیک یہ نہایت ہی مناسب ہے کہ گورنمنٹ نے ساورکر کی تاریخ کو بحقِ سرکار ضبط شدہ قرار دیدیا ہے۔ لیکن اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ اس لڑائی کے بعض حالات پر پردہ ہی پڑا رہے تو ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے نقطۂ نظر کو بھی اپنی تواریخ میں جگہ دیں۔ کیونکہ جہانتک موجودہ حالات کا تعلق ہے ہم نے ہندوستانیوں کے خلاف عام طور پر یہ مشہور کر دیا ہے کہ وہ بیحد خونخوار اور انتہا درجے کی ناقابلِ اعتماد قوم ہے۔ حالانکہ یہ ایسی خوفناک تہمت ہے جو کسی معنے میں بھی اُن پر چسپاں نہیں ہو سکتی چنانچہ اسکا خاکہ ایک مورخ اسطرح کھینچتا ہے کہ :-

"مشکل ہی سے چند ایک ہندوستانی ایسے ظالم نکلینگے جیسے کہ عام طور پر کسی ظالم کو سمجھا جاتا ہے خون اور مصائب کے دردناک نظارے سے ایک ہندوستانی نژاد ہندو یا مسلمان شاذ و نادر ہی خوش ہوا کرتا ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسمیں مستثنیات بھی ہوتی ہیں کیونکہ مسلمان حکمرانوں میں سے بعض تو خاص طور پر خونخواری میں شہرۂ آفاق تھے لیکن عام طور پر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ظلم کا دور دورہ غیر ملکی اقوام کے قبضے کے بعد اور خاص طور پر ترکوں کی حکمرانی میں شروع ہوا پھر بھی ہندوستانی باشندے ظالمانہ کارروائیوں میں خاص طور پر خوشی محسوس کیا کرتے ہیں۔" [1]

ہندوستانی تاریخ اور سیرت کو جس غلط طریق پر ہم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

---

[1] THE LOST DOMINION, P. 91.

Marfat.com

اُسکا نتیجہ ہمارے حق میں اِسقدر مُہلک ہُوا ہے کہ ہندوستانی اعتدال پسند جماعت نے بھی ہماری عطا کردہ اصلاحات کی سکیم کو کامیابی سے صاف انکار کردیا ہے حالانکہ وہ اس سلوک کی مستحق نہیں

دوسری طرف ہندوستانی بھی منتقمانہ طریق سے ہمارے خلاف غلط بیانی کے مرتکب ہو رہے ہیں چنانچہ اُنکے کثیر الاشاعت ماہوار رسالوں کے مطالعہ سے مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ضمیر کی آواز سے کُلیتاً بے نیاز ہوکر غلط بیانی کی اشاعت کیجاتی ہے۔ حالانکہ اشاعت کے اِس مذموم طریق کیطرف اگر ہندوستانیوں کو متنبہ کیا جائے تو گو وہ اسکو تسلیم نہیں کرینگے لیکن ساتھ ہی یہ بھی جواباً کہہ اُٹھینگے کہ سیاسیات میں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے نیز محبت اور جنگ میں کامیابی حاصل کرنیکے لئے صحیح یا غلط حربے کے استعمال سے قطعاً دریغ نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ناظرین کی تسلی کیلئے چند ایک مثالیں پیش کرونگا جن سے اِن مذموم طریقوں کی بخوبی وضاحت ہوجائیگی مثلاً جب انگلستان کی گورنمنٹ نے روہر RHUR پر فرانسیسی حملہ کے خلاف احتجاج کیا تو ایک ماہواری رسالہ نے لکھا کہ انگلستان نے اسلئے اعتراض کیا ہے کیونکہ اُسے خدشہ ہے کہ فرانسیسی روہر کی تجارت پر قبضہ کرلینگے۔ حالانکہ اگر ہم احتجاج نہ کرتے تو دنیا یہ سمجھتی کہ ایک کمزور دشمن کو تباہ کیلئے ہم نے فرانسیسیوں سے سازباز کرلیا ہے جب ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ہائیکورٹ نے ہندوستانیوں کو امریکن شہری کے حقوق دیئے جانیکے خلاف فیصلہ کیا تو اسپر یہ پراپیگنڈا کیا گیا کہ چونکہ انگریز ہندوستانیوں کے خلاف بغض و کینہ رکھتے ہیں اسلئے برٹش سفیر کے زیر اثر یہ مخالف فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔ یہ پراپیگنڈا بذاتہ اسی قدر مضحکہ انگیز تھا کہ ایک ہندوستانی نے جو اسوقت امریکہ میں مقیم تھا۔ خود ہی اِسکی قلعی کھولی یعنی جب جاپانیوں کے خلاف بھی اُس عدالت نے ویسا ہی فیصلہ صادر کیا تو اُس نے اپنے ہموطنوں کو توجہ دلاتے ہوئے یہ سوال کیا کہ یہ دوسرا فیصلہ بھی انگریزوں کے ایما سے حاصل کیا گیا ہے۔ جب کبھی کسی درسگاہ سے ہندوستانی طالبعلم ہڑتال کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہمیشہ یہ پراپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ اساتذہ نے ہڑتال کو روکنے کیلئے نہایت وحشیانہ مظالم کا اظہار کیا۔ ایسی ہڑتالوں میں عام طور پر طلبہ درسگاہ کے تمام دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں اور اکثر اندر جانیوالوں کے راستے میں لیٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے مواقع پر اخبارات میں عام طور پر غلط اطلاعات شائع کیجاتی ہیں۔ یہانتک کہ اُن عیسائی اُستادوں کے خلاف بھی پراپیگنڈا کرنیسے گریز نہیں کیا جاتا جنکی خوبیوں کے اس سے پہلے تمام معترف تھے مثلاً کلکتہ

Marfat.com

کے روزانہ اخبارات کی رپورٹوں کے مطابق ایک عیسائی مشنری پروفیسر کے خلاف یہ لکھا گیا تھا کہ جب اسکو کالج میں داخل ہونیسے روکنے کی کوشش میں بعض طلبا اس کے سامنے لیٹ گئے تو اس نے نہایت وحشیانہ طریق سے اُن طلباء کو ٹھوکریں رسید کیں اور انکے جسم کو روندتا ہوا اوپر سے گذر گیا ہندوستان ہی ایک ایسا ملک نہیں جہاں ہمارے خلاف اس قسم کا زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے بلکہ جرمنی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کو تو خاص طور پر ہمارے خلاف کامیابی سے پروپیگنڈا کرنے کیلئے منتخب کیا گیا چنانچہ جب ہم پنجاب کے مظالم کی تلافی کیلئے اپنے ہموطنوں کو متوجہ کر رہے تھے تاکہ ہندوستانیوں کی مظلومیت بے نقاب ہوکر ان سے قرار واقعی سلوک کیا جا سکے تو ہمارے مقصد میں سب سے زیادہ رکاوٹ امریکہ کی بعض جماعتوں کی رضا کارانہ طور پر ہندوستان کی امداد اور ہمدردی کے اظہار کرنیسے پیدا ہوئی۔ جو بہت حد تک مایوس کن تھی۔ اس قسم کی امداد میں غالباً امریکن ہوم رول لیگ اوف انڈیا خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ ہمارے دشمنوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولین کی تعداد بھی نہایت بڑھا چڑھا کر پیش کی تھی۔ چنانچہ وہ اصرار کیساتھ کئی ہزاروں کی تعداد پر زور دیتے تھے۔ اگرچہ مجھے انکی صحیح تعداد اسوقت یاد نہیں لیکن اسمیں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اس خوفناک واقعہ کی اصلیت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا یعنی یہ کہ چند منٹوں میں پندرہ سو (۱۵۰۰) انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ ہندوستانیوں اور اُنکے ہمدردوں کے اس طرز عمل نے ہندوستان کے مقصد کو سخت نقصان پہنچایا ہے یعنی بہت سے ایسے افراد جو نہایت دیانتداری سے ہندوستان کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس قسم کے غلط پروپیگنڈا سے برگشتہ خاطر ہوگئے ہیں۔ چنانچہ حکومتِ خود اختیاری کے حصول کیلئے ہندوستانی جسقدر امداد کی توقع ہم سے رکھتے ہیں وہ اسی برگشتگی کی نذر ہوگئی ہے جو اس بدنصیب ملک کیلئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے ہمیں ہندوستانیوں کے مقصد سے محبت ہے جسکا ثبوت بھی ہم بارہا دے چکے ہیں لیکن بہت سے ایسے انگریز جو نہایت جانفشانی اور ہمدردی سے ہندوستان کو اپنے مقصد تک پہنچنے میں دیانتدارانہ امداد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس وقت موجودہ پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر یہ محسوس کر رہے ہیں کہ انہیں بادلِ ناخواستہ امداد کے ہاتھ کو کھینچنا پڑیگا۔ کیونکہ موجودہ فضا میں ہمدردی اور محبت کی جگہ تلخی و منافرت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر جگہ ہندوستانی مرد اور عورت اپنی خود داری اور قومی وقار کی

Marfat.com

واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اسلئے ان کو دوبارہ آزاد کر دینا چاہئے تاکہ وہ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے ساتھ مساویانہ حیثیت میں فخر و ناز کیساتھ آنکھیں چار کر سکیں۔ چنانچہ اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ موجودہ غلط پروپیگنڈا کو چھوڑ کر آزاد انسانوں کی طرح زندگی اختیار کر لیں گے ہندوستان کی تواریخ میں ایک نئے آفتاب کے طلوع کا انتظار ایک عرصہ سے کیا جا رہا ہے اسلئے ہمیں نہ تو کلکتہ کے بلیک ہول BLACK HOLE کے حادثہ فاجعہ پر زور دینا چاہئے اور نہ ہی ستر موپلا قیدیوں کے ریل گاڑی کے اندر دم گھٹ کر مرنے کے خوفناک واقعہ سے لاپرواہی کا اظہار کرنا چاہئے۔ ہمیں اب کانپور کے خونی حادثہ کو تو آنکھوں سے اوجھل کر دینا چاہئے لیکن بنارس، الہ آباد اور کانپور پر رینالڈ (RENAUD) کے کوچ کے وحشیانہ مظالم تغافل اور گمنامی کی نذر نہیں کرنے چاہئیں۔ بابو رویش چندر دت نے جس مدبرانہ انداز سے غدر کے خوفناک واقعات کے متعلق ہماری قوم سے اپیل کی ہے۔ وہ اسقدر موثر ہے کہ بے اختیار ہمارے دلوں میں ہمدردی کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں بالخصوص اسمیں ایک فقرہ تو اس قابل ہے کہ اس پر فوراً توجہ کیجائے جسمیں وہ درخواست کرتا ہے کہ غدر کے واقعات کو یا تو تواریخ سے نکال دینا چاہئے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم لڑکوں کی درسی کتب سے تو ان دردناک واقعات کو بالکل علیحدہ کر دینا چاہئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہندوستانی طلبا کانپور کے کنوئیں کے وحشیانہ حالات تو پڑھیں لیکن نیل (NEILL) اس کنوئیں تک پہنچتے پہنچتے راستے میں جو دردناک مظالم برپا کئے، وہ انکی آنکھوں سے پوشیدہ رکھے جائیں۔

مجھے پورا یقین ہے کہ موجودہ وقت سے بہتر فضا کبھی پیدا نہیں ہوئی جب ہمارے ہموطنوں کے دلوں میں گذشتہ مظالم کی تلافی کرنے کیلئے بیچینی اور اضطراب ظاہر ہوا ہو۔ دوسری طرف ہندوستانی بھی ہمارے متعلق اپنے دلوں کی گہرائیوں میں یہ بخوبی یقین رکھتے ہیں کہ ہم اُس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ صرف کسی کمزور قوم پر مظالم کر کے خوش نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اُن مظالم کے پوشیدہ رکھنے کی مکروہ کوشش کو بھی نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا کرتی ہے۔ بہرحال میری قوم کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ ان واقعات کی صحیح تصویر دیکھ لے جو اس کے نام پر کئے گئے تھے اور افسانوں اور تاریخ کی شکل میں ان مظالم کی مسخ شدہ تصویر، جو اس کے اپنے لڑکوں اور ہندوستانی طلبا کے سامنے جبراً پیش کیگئی تھی، بخوبی اندازہ کرے۔

Marfat.com

اِس باب کو ختم کرنے سے پہلے اپنی قوم کو مشورہ دونگا کہ وہ غدر کی چٹھیاں وغیرہ شائع کرنے سے گریز کرے۔ کیونکہ جواب میں اِسی قسم کی دستاویزیں ہندوستانی پریس کیطرف سے بھی شائع کی جائینگی جنکو گورنمنٹ مجبوراً ضبط شدہ قرار دیگی۔ کیونکہ ایسی کتب کی اشاعت سے دونوں قوموں کے درمیان نسلی منافرت اور کشیدگی زیادہ سُرعت سے پھیلتی جائیگی۔

Marfat.com

باب سوم (۱۰)

خاتمہ یا نتیجہ

لیکن اس معاملہ کو یہیں تک چھوڑنے سے میرا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ بعض ایسی باتیں ابھی باقی ہیں جنکو مختصر الفاظ میں یہاں پر بیان کرنا نہایت ضروری ہے اول یہ کہ ایل کارتھیل (AL CARTHILL) نے اپنے ایک بیان میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ کی قتل و خونریزی سے ہندستانیوں کے دلوں میں کوئی خاص نفرت پیدا نہیں ہوا کرتی" - اس عیار اور پرفریب مصنف کی بعض تحریرات میں اس قسم کے جملے اکثر ایسے ملجاتے ہیں جو تقریباً صحیح اور درست ہوتے ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلوں کے بعد ویسے ہی خوفناک مظالم پر کاربند رہنا پسند کیا سوائے اس فرق کے کہ مغلوں کیوقت میں مجرمین کو یا تو گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا یا زندہ کھال اتاری جاتی تھی مگر انگریزوں نے ہلاکت کے مختلف طریقے اختیار کئے لیکن دونوں حکومتوں کے اندر ان اضلاع کو جہاں پر بغاوت رونما ہوتی تھی نہایت بیدردی سے ویران کیا جاتا تھا اور انکے دیہات اور فصلوں کو آگ لگا کر خاکستر کردیا جاتا تھا۔ ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ مغلوں کی حکومت کو ختم ہوئے دوسو سال کا زمانہ گذر چکا ہے لیکن غدر کو واقع ہوئے ابھی ستر سال کی مدت ہوئی ہے ہندوستان پر برٹش قبضہ کا یہ زمانہ یورپ کے پانچسو سال پہلے کے زمانہ سے مناسبت رکھتا ہے. چونکہ متمدن حالات میں ایک قسم کی یکسانیت موجود ہوتی ہے اسی لئے اپنے خیالات اور اپنے اسلاف کے خیالات میں آج ایک بین اختلاف نظر آتا ہے چنانچہ کوون COWAN نے جو خونریزی ۱۸۷۲ء میں روا رکھی تھی اس نے موجودہ ہندستانیوں اور بعض انگریزوں کو آتش زیر پا کردیا لیکن ۱۸۵۷ء میں اسی قسم کے مظالم اسوقت کے باشندوں میں اس حد تک بے چینی پیدا نہ کرسکے۔ فریبراں جس نفرت اور ناراضگی کا اظہار موجودہ ہندستانی ہمارے خلاف ظاہر کررہا ہے وہ ستر سال پہلے کے ہندستانی دماغ کے نقطۂ نظر سے نہیں کیا جاتا بلکہ ہمارے بے بہا علم و ادب اور تواریخ سے استفادہ حاصل

Marfat.com

کر کے۔ موجودہ فضا کے زیر اثر ایسا ہو رہا ہے۔ یہانتک کہ آج ہمارے افعال کو ہمارے ہی گھڑے ہوئے معیار سے پرکھا جاتا ہے مگر مغلوں کے مظالم کو نہایت لاپروائی سے ایک وحشت و بربریت کے زمانہ کی یادگار کہکر ٹھکرا دیا جاتا ہے جو آجکل معدوم ہو چکا ہے۔

ہمیں بلاشبہ اس زہریلے کنوئیں کو پاٹ دینا چاہئے اور خوش قسمتی سے اسوقت ایک کثیر تعداد ایسے ہندوستانیوں اور انگریزوں کی موجود ہے جو نہایت دیانتداری سے یہ خواہش رکھتی ہے کہ کسی طرح غدر کے رنجدہ واقعات کی یاد کو ہمیشہ کیلئے تاریخ کے صفحات اور انسانوں کے قلوب سے محو کر دیا جائے۔ تاکہ دونوں اقوام کے فطری پیار اور اخوت کے مراسم آزادانہ طور ایکدوسرے پر اثر ڈال سکیں۔ چنانچہ ایک انگریز افسر لکھتا ہے کہ :-

"ہندوستان اور انگلستان کے مفاد کا اقتضا یہ ہے کہ اس ظالم بغاوت کی تلخ یاد کو فراموش کر دیا جائے" لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر دونوں طرف سے فراموش کرنے کیلئے سرگرمی سے کوشش کیجائے۔ مثال کیلئے لاہور میں لارڈ لارنس (LAWRANCE) کے بدنام بت کو لے لیجئے جس کی حفاظت کیلئے اب گورنمنٹ کو مسلح پہرہ متعین کرنا پڑتا ہے :-

"جان لارنس JOHN LAWRANCE کے بت سے سنگتراش نے اس کیفیت کو ظاہر کیا ہے کہ وہ زبانِ حال سے ہندوستانیوں کو حکم دے رہا ہے کہ یا تو خوشی سے ہماری غلامی اختیار کرو۔ ورنہ جبراً تمہیں اپنا غلام بنا لیا جائیگا۔ چنانچہ بت کے نیچے ذیل کے الفاظ کندہ ہیں "تم کس کی حکومت کے خواہاں ہو۔ قلم کی یا تلوار کی" (BY WHICH WILL YE BE GOVERNED-" اور گو قلم کے ذریعہ ہی حکومت کیگئی لیکن اسکے باوجود (THE PEN OR THE SWORD تلوار کو ضرورت کیوقت استعمال کرنیکے لئے صرف میان میں چھپا لیا گیا تھا" [2]

لیکن جبتک ایسی نشانیاں موجود ہیں۔ ناممکن ہے کہ ہندوستانیوں کے دل ہماری طرف سے صاف ہوں۔ چنانچہ ایسی ہی علامات دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح برطانیہ کے نام پر اس قسم کی حرکات کو صحیح اور جائز سمجھا گیا۔

چونکہ ہندوستانی بھی اپنے آپکو دنیا کی برادری میں شامل کر رہا ہے اسلئے غدر کی تاریخ اسکے نزدیک اب صرف انگریزوں اور ہندوستانیوں کی سرگزشت کی حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس وقت کے زمانہ میں دنیا کی دیگر مظلوم قوموں کیطرح وہ بھی ایک مظلوم

Marfat.com

کی حیثیت میں ستم اُٹھاتے رہے۔ چنانچہ اُس زمانہ کی بغاوتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس امر پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے کہ طرفین نے اس قسم کی وحشیانہ سنگدلی کا مظاہرہ کیا بلکہ ہمارے لئے تو فخر اسمیں ہے کہ ہم نے باغیوں کو ناکام و نامراد رکھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا جبکہ لڑائیوں میں بے انتہا سفاکی اور سنگدلی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آسٹریا (AUSTERIA) نے ہنگری کے باشندوں (HUNGARIANS) کو اور روس نے پولینڈ والوں کو بیدریغ پھانسیوں پر لٹکایا۔ جب سپین (SPAIN) میں کارلسٹس CARLISTS اور اُسکے دشمنوں نے ایک دوسرے پر گولی چلائی اور پھانسیاں دیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب پیرس میں خانہ جنگی نہایت زور شور سے ہوئی اور طرفین نے نہایت سفاکی اور بربریت سے ایکدوسرے کا خون گرایا۔ چنانچہ اب اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ایک شریف کرۂ ہوائی میں سانس لے رہے ہیں تو ہندوستانیوں کو اور ہمیں بالاتفاق یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ جو افعال اور مظالم ہماری پیدائش سے پہلے عمل میں لائے گئے۔ ہم قطعاً انکے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔

جس طرح قوموں کے مناقشات اور اختلافات کو اخلاق کے مختلف اصولوں پر پرکھا جاتا ہے۔ اسیطرح ہندوستانی غدر کے حالات کو بھی اسی معیار پر پرکھنے کی کوشش کیگئی۔ باوجود اس امر کے کہ ہم بعض دفعہ اس سے انکار کر دیتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہم ایک فوجی قوم ہیں اور ایک فوجی قوم کے نزدیک بغاوت سے زیادہ سنگین اور کوئی جرم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فوجی قانون کی رُو سے بغاوت کے اعلان کے بعد ہی ایک باغی اپنے زندہ رہنے کے استحقاق کو فی الفور کھو دیتا ہے۔ اگرچہ اس سے پیشتر وہ کتنا ہی مظلوم کیوں نہ رہا ہو لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ایک سوسائٹی کے وضع کردہ قوانین دوسری قوم کیلئے قابلِ قبول نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ بعض حالات میں تو قومیں ایکدوسرے کے قوانین سے بھی بیخبر ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک بادشاہ اور فلسفی پر بغاوت کا اعلان ویسا ہی متضاد اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ الحاد کے دعویٰ سے ایک جویائے حق اور ایک سائنسدان کے دماغوں پر مختلف اثر ہوتا ہے۔ انسانوں نے نہایت دیانتداری اور خلوص سے اپنے جیسے مخلص اور سچے آدمیوں کو سچائی اور مذہب کے نام پر نہایت بیدردی سے موت کے گھاٹ اُتارا ہم اپنے ضمیر کی رہنمائی کے باوجود یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرزِ عمل کو ہم نے اختیار کیا تھا وہی صحیح تھا۔ مگر ہمارے دشمن کا اختیار کردہ راستہ غلط اور گمراہ کن تھا۔

Marfat.com

مَیں اپنے ہم مذہب عیسائی دوستوں کو خصوصیت سے توجہ دلاؤنگا کہ وہ اِس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور اِس امر کی پُوری کوشش کریں کہ ہندُستان کے معاملہ میں ہمارے نقطۂ نظر میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اُنکی خدمت میں مَیں ایک ایسی بات کہُونگا جو کسی عیسائی کانفرنس یا مشنری پلیٹ فارم سے ابتک اُنکے گوشگذار نہیں ہوئی ہوگی یعنی تعلیمیافتہ ہندُوستانی نے عیسائیت سے ابتک انحراف اِس لئے نہیں کیا کہ وہ ذات پات کا بہت پابند ہے یا مفروضہ قومیت مانع ہے یا برہمن کہلانیکا فخر درمیان میں حارج ہے بلکہ عام طور پر انکا یہ عقیدہ بنگیا ہے کہ سچائی کے مقابلے میں عیسائی گرجے محض رسمی تربیت اور تعلیم کا مظہر رہگئے ہیں۔ نیز ایک غلطی یا ظلم کی تلافی کے مقابلہ میں عیسائی مبلغین روحانی ترقی کیطرف زیادہ توجہ دیتے ہیں حالانکہ انجیل مقدس کی تعلیم کے مطابق اُنکا فرض صرف روحانی ترقی کی تعلیم و تبلیغ ہی نہیں ہے بلکہ سچائی اور مظلومیں اور کمزوروں کے حق میں بیباکانہ احتجاج کرنا بھی ہے۔

عیسائیت کی تعلیم کے مطابق "کفارہ" کی آواز آج ہر ہندُستانی کے لبوں سے نکل رہی ہے وہ بہ بانگِ دُہل اِسکا مطالبہ کرتے ہیں کہ انگلستان نے آجتک اپنے گذشتہ مظالم کا کفارہ ادا نہیں کیا۔ اسلئے جبتک وہ قرار واقعی ادائگی نہ کرلیگا۔ اوسوقت تک ہم اُس کے دوست نہیں بن سکتے۔ اُنکے ذہن میں سنسکرت کا لفظ "پرائشچت" ہر وقت موجود رہتا ہے جسکے لغوی معنے "کفارہ" کے ہیں اور اس سے مراد ایسی حرکت ہے جس سے یہ اطمینان ہو جائے کہ واقعی ہمیں گذشتہ واقعات پر افسوس ہے اور آئندہ کیلئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایسے رنجدہ واقعات دوبارہ ظہور پذیر نہیں ہونگے۔ چنانچہ حکومتِ خود اختیاری کے حصول کیلئے وہ اِس حد تک مضطرب نہیں ہیں جتنے کہ وہ اِس قسم کی فیاضانہ حرکت دیکھنے کے متلاشی ہیں جسمیں اُنہیں اطمینان ہو جائے کہ دنیا کی ایک بہت بڑی قوم اپنی گذشتہ تاریخ پر متاسف ہے اور آئندہ کیلئے اطمینان دلاتی ہے کہ وہ غلطیوں کی اصلاح کیلئے ہمیشہ مستعد رہیگی۔ نیز واقعات میں غلط بیانی کرنے کو ہمیشہ اپنی حیثیت سے گرا ہُوا متصور کیا کریگی۔

لیکن اختتام کے موقع پر یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج سے ستّر سال پہلے دونوں قومیں ایک نہائت ہی قاتلانہ دیوانگی کا شکار رہچکی ہیں ہم نہ تو اب اُن خوفناک لڑائیوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اُن مکروہ حرکات کو عمل میں لانا چاہتے ہیں جنمیں ہم ذاتی طور پر شریک بھی نہیں تھے۔ علاوہ ازیں اسوقت یہ امر بھی زیر بحث نہیں کہ اگر

Marfat.com

اُسوقت ہم شریک ہوتے تو کیا اُسی دیوانگی کے ماتحت ہم بھی ویسے ہی وحشیانہ مظالم کے علمبردار ہوتے۔ کیونکہ ہمارے متعلق بھی یہ ویسا ہی صحیح ہے جیسا کہ اس سے پہلے مکروہ افعال کئے گئے تھے یعنی جناب مسیح کو سُولی پر لٹکا دیا گیا یا جُون اوف آرک (JOON OF ARC) کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ یا اسی قسم کے اور بشیار سنگدلانہ افعال جو مورخ کی نظر سے اوجھل ہیں۔ البتہ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ایسے مظالم کی تصدیق کرنیسے صاف انکار کر دیں اور دنیا میں اپنی مفروضہ قومی عزت کے تحفظ کیلئے ایسے واقعات کی غلط اشاعت سے پرہیز کریں۔ موجودہ زمانہ گنہگار مرد و زن سے بھرا پڑا ہے جو اپنے لئے نسل اور وطن کے انتخاب میں بے بس ہیں اسلئے زیادہ سے زیادہ جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ [illegible] اور رذالت کے اظہار کی جگہ ہمارے طرز عمل میں فیاضی اور [illegible] بہتر ہے ہر جانی الاصل کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنی تو [illegible] کے تمام عنصر کو ہمیشہ کیلئے بالکل علیحدہ کر دے تاکہ ایک ایسی نئی فضا پیدا [illegible] ایک نئے خیال کی دنیا کی نشوو ارتقا ممکن ہو سکے۔

ناظرین میں سے بہت سے اصحاب نے اگرچہ وحشت اور [illegible] کے مشترکہ احساس سے میری کتاب کو پڑھا ہوگا لیکن بالآخر انہوں نے ایک قسم کی طمانیت ضرور محسوس کی ہوگی کیونکہ وحشت اور بربریت کا جو خیالی دیو برطانوی قلوب کو آجتک پریشان کئے ہوئے تھا اسکا اثر میری کتاب کے مطالعہ سے جاتا رہا۔ ہم اپنی قوم کی دیوانگی کو تو سمجھ سکتے ہیں جسمیں ہمیں اس حد تک حیرت نہیں ہوتی جتنی کہ شرم محسوس ہوتی ہے۔

لیکن اسکے مقابلے میں ہندوستانی قوم کی دیوانگی ایسی بعید از قیاس نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ کیونکہ مسلسل مصائب اور تکالیف اٹھاتے ہوئے اسکا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ اندریں حالات میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ ایسے افراد سے سمجھوتہ بھی ہو سکتا ہے اور دوستی کا پیمان بھی باندھا جا سکتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک ہندوستانیوں کی جدوجہد کے پیچھے اسی مقصد کے حصول کا جذبہ کام کر رہا ہے۔

Marfat.com

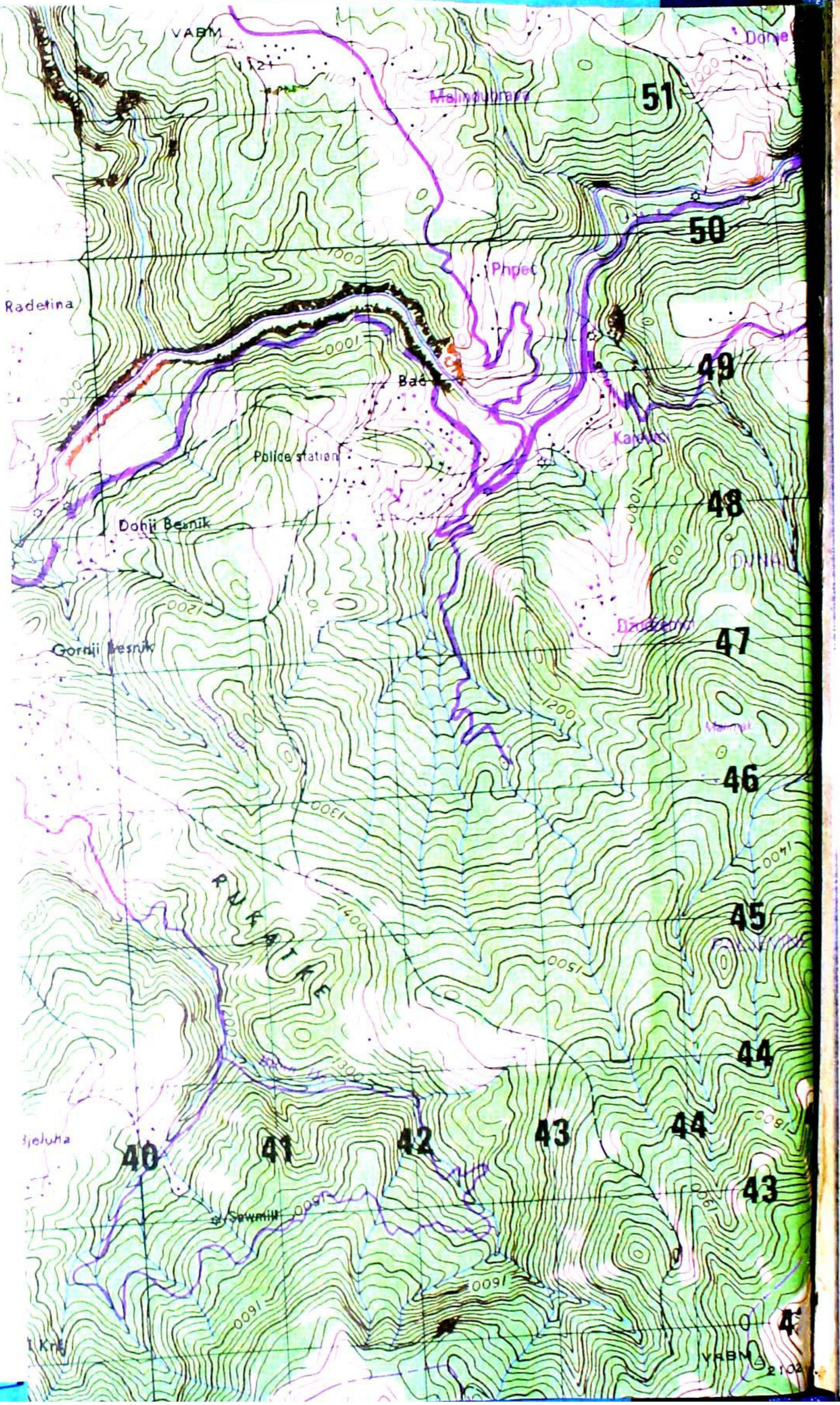

VABM
Radetina
Bać
Police station
Donji Besnik
Gornji Besnik
RUKATKE
Sawmill
51
50
49
48
47
46
45
44
43
40
41
42
43
44
1000
1200
1300
1400
1500
1600

Marfat.com